جلد 25 شمارہ 8 ماہ اگست 2023ء محرم الحرام/صفر المظفر 1445ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبّت

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

مملکت خداداد پاکستان کے موجودہ حالات آجکل ہر حوالے سے پریشان کن ہیں۔ کہنے کوتو اسکی سینکڑوں وجوہات بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر بطور مسلمان اور توحیدی ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ اسباب پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ مسبب والے پہلو کو بھی کبھی فراموش نہ کریں۔ ہر عمل کیساتھ ردِ عمل کا کلیہ خدا کے نظام قضا وقدر میں بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا دنیا کے معاملات میں۔ قرآن کریم ہمارے موجودہ حالات کی عکس بندی ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی تھی جو امن والی اطمینان والی تھی اس کے پاس اس کا کھلا رزق ہر جگہ سے آتا تھا اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسکو چکھایا/پہنایا بھوک اور خوف کا لباس اس وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔(النحل 112)

لاکھوں مربع میل زرخیز رقبے، پہاڑوں، دریاؤں ریگستانوں، ہر طرح کے موسم اور بہترین Human Resources رکھنے والا ملک اس حال میں پہنچ چکا ہے کہ عام آدمی آٹے کے حصول کی کوشش میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے عالمی ادارے آنے والے چند سالوں میں ہمیں غذائی قلت کی خبر سنا رہے ہیں۔ ان حالات کو قرآن نے خوف اور بھوک کے لباس سے تعبیر کیا ہے۔ جو ناشکری قوم کو اسکے اعمال کی پاداش میں پہنایا جاتا ہے۔ معاشرے کے عام فرد کی حیثیت سے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جو آج ہر سلیم الفطرت مسلمان کو درپیش ہے۔ اسکا جواب اسی مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ ہے کہ ناشکری کی روش کو شکر گزاری کیساتھ بدل دیا جائے جو کہ زبان سے شکر کی گردان کی بجائے مسلسل عمل کا تقاضا کرتی ہے۔ ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کار میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو کماحقہ ماننے کا پختہ عہد کرے اور اپنی کمی کوتاہی کی توبہ مانگتے ہوئے عمل کی راہ پر گامزن ہو جائے۔ نیز انصاری صاحبؒ کی بتائی ہوئی حیات افروز تعلیم میں سے "مثبت سوچ" کو اپنا کر اپنے ہتھیار "دعا" کو ہمہ وقت استعمال کرتے رہیں۔ اللہ رحیم وکریم سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے پیارے نام پر اور لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کئے گئے اس ملک کو تا قیامت آباد رکھے گا اور اس میں اپنے نام کے جھنڈے کو ضرور سر بلند کرے گا۔ والسلام!

روحانی سیر

(قبلہ محمد صدیق ڈارؒ)

انسانی جسم پر حکمرانی کرنے والی اور اس کے تمام اعضا کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے والی اصل طاقت ہی انسان کی حقیقت ہے، اسے روح کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ بندگی نباتات، جمادات اور ملائکہ کی اطاعت سے یقیناً مختلف ہے ورنہ بندگی کو انسان کے لیے مخصوص نہ کیا جاتا۔ انسان سے جو بندگی مطلوب ہے اس سے مراد وہ والہانہ اطاعت ہے جو معرفت اور شدید محبت سے معمور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت کا جوہر عطا کر کے اس زمین پر بھیجا جہاں کا پتا پتا اور ذرّہ ذرّہ اس کی صفات کا مظہر بن کر اللہ کی تلاش و جستجو اور اس کے قرب و رضا کی دعوت دے رہا ہے۔ بقول اقبالؒ:

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

اس عظیم سعادت کے حصول کے لیے انسان کو ظاہری حواس عطا کیے گئے تاکہ ان کے ذریعے مادّی مظاہر فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کر کے روح اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جائے۔ یہ روح انسانی کا صرف ایک رخ ہے جو عقل و شعور کے توسط اور حواسِ خمسہ کے سبب مادی عالم سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور اس کا تجربہ کم و بیش ہر انسان کو ہوتا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔ انسان جب سو جاتا ہے تو اس کا شعور عارضی طور پر معطل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اردگرد کے

حالات بلکہ اپنے جسم سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔اس بے خبری کی کیفیت میں کئی مرتبہ عالم خواب میں آئندہ پیش آنے والے یا دوردراز مقامات پر ہونے والے واقعات اسے نظر آتے ہیں حالانکہ بیداری کی حالت میں ایسا نہیں ہوتا۔اسی طرح جاگتے میں بغیر کسی ظاہری ذریعہ علم اور شعوری کوشش کے کبھی کبھی خیال یا تجویز اچانک ہمارے دل ودماغ میں وارد ہو جاتی ہے اسے چھٹی حس یا (ESP) Extra Sensory Perception کا نام دیا جاتا ہے۔

ان تجربوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ روحِ انسانی کا تعلق کسی دوسرے عالم سے بھی ہے جہاں شعور کا عمل دخل نہیں اور ظاہری آنکھوں کے علاوہ ایک باطنی حس بھی ہے جو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔خواب کے علاوہ بھی اگر کوئی انسان اس امر پر قادر ہو کہ اپنے حواسِ ظاہری کو اپنی قوتِ ارادی سے عارضی طور پر معطل کر لے یعنی مادی عالم کی نفی کر کے مراقبہ میں چلا جائے تو اس کا تعلق عالم روحانی سے قائم ہو سکتا ہے۔نفسیات کی زبان میں یوں کہہ لیں کہ جب شعور غائب ہو جائے تو لاشعور جاگ اٹھتا ہے اور اس کا تعلق روحانی طبقات سے ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص صلوٰۃ وذکر اور مجاہدے کے ذریعے اپنے قلب کا تزکیہ کسی حد تک کر چکا ہو تو خواب یا نیم بیداری کی کیفیت میں آئندہ ہونے والے کچھ واقعات اس کے لاشعور میں منعکس ہو جاتے ہیں۔یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس شخص کو تمام عالمِ روحانی کا ہر واقعہ معلوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح کو اپنے مقام کی مناسبت سے جس قدر ماحول کا علم ہوتا ہے صرف اسی حصے میں تنزل کرنے والے واقعات معلوم ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ روحانی سلسلوں میں بیعت ہو کر مطلوبہ صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں ان میں سے کسی کسی کو اس طرح کے تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ جو لوگ نفی اثبات کا ذکر صحیح طریقے سے کرتے اور پاس انفاس کے ذریعے اپنی توجہ اور دھیان اللہ کی طرف لگائے رکھتے ہیں ان کا

دل بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے قلب کی وہ آنکھ کھل جاتی ہے جو مادی دنیا کے اس پار کے عالم میں جھانک سکتی ہے اس مشاہدے کو روحانی سیر کا نام دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض سالکوں کو نور، روشنی یا روحانی شکلیں نظر آتی ہیں۔ خواب یا جاگتے میں روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ دوزخ اور جنتوں کی سیر ہوتی ہے۔ فرشتوں اور انبیاء کی زیارت ہونے لگتی ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ کسی اور چیز کو دیکھنے کی فرصت اور استعداد ہی ان میں باقی نہیں رہتی اور بعض کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ خود پردہ ڈال دیتا ہے ورنہ وہ ان دلفریب نظاروں کی سیر ہی میں پھنس کر رہ جائیں اس لیے جن سالکوں کو کچھ بھی نظر نہ آئے انہیں یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ ہماری ترقی نہیں ہو رہی۔ انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مرشد کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے سے قلب میں سوزِ محبت اور اللہ کی ذات سے تعلق اور اس پر توکل بڑھ رہا ہے، دنیا کی محبت کی بجائے آخرت کی فکر دل میں بڑھ رہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ہو رہی ہے یا نہیں۔ روحانی اثرات کا جلد یا دیر سے پیدا ہونا اور روحانی سیر کا ہونا یا نہ ہونا دراصل سالک کی ذہنی اور روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں تشویش لاحق نہیں ہونی چاہیے۔ سالک کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے لیکن اللہ کے ذکر کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ راہِ تصوف اور ذکر کا مقصود روشنیاں اور روحانی صورتیں دیکھنا تو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے۔ لہٰذا خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ راستے کے نظاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا اور محبوب کا ذکر پورے ذوق و شوق سے جاری رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے قرآن کریم میں جس نعمت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اصل دولت ہے جو ہر ایک کو عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے

کہ دل صرف اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور یہ بشارت بھی فرمائی کہ کثرت سے ذکر کرنے والوں کے لیے ہم نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ یہی نعمتیں سب سے بڑی ہیں اور یہی دراصل مطلوب ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ملے یا دکھائی دے تو یہ مالک کی اضافی رحمت اور سالکوں کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان ہے۔

اب بھی سلسلے کے کئی بھائی اس طرح کی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں چونکہ اپنے روحانی مشاہدات دوسرے بھائیوں کو بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتے۔ ایسے بھائی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ایسے خواب یا مشاہدات مجھے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حال ہی میں آئے ہوئے دو بھائیوں کے خط ان کا نام لکھے بغیر یہاں نقل کر رہا ہوں۔ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''کل میں خانہ کعبہ گیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا گھر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ مجھے جانے کیا ہوا کہ بس میں اللہ سے چمٹ گیا اور مجھے بہت سکون ملا۔ لیکن ساتھ ہی ڈر بھی رہا تھا کہ انہیں کہیں کھو نہ دوں اس لیے میں نے اللہ میاں کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا کہ اب کہیں نہیں جانے دوں گا اللہ کو۔ یہ میرے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی سنہری جالیاں بھی دیکھیں مگر ان کے قریب نہ جا سکا۔ نجانے کیوں، غالباً ابھی میں اس قابل نہیں ہوا۔ ایک رات پہلے ایک بزرگ خواب میں ملے، ان کی آنکھیں سبز تھیں لیکن داڑھی نہ تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں کیا وہ مجھے مل جائے گا۔ وہ چپ ہو گئے لیکن میں سب کچھ سمجھ گیا۔''

دوسرے بھائی رقم طراز ہیں: ''مجھ پہ کئی ماہ سے جو کیفیات وارد ہوئیں ان کو بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایک دفعہ روحانی پرواز کے بعد ایسے سمندر نما مقام پہ پہنچا جہاں

ماسوائے سکون و راحت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوا اور کافی دیر میں اس عالم میں غرق رہا۔ اس کے علاوہ بارہا روحانی پروازیں ہوئیں مگر ان میں سے کسی بھی عالم کی وضاحت کرنے سے قاصر ہوں۔ دو دن قبل نیم بیداری کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ فضا میں ایک نغمہ سا گونج رہا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح تھا کہ ہم نے جن و انس کو دیگر مخلوق پر شہنشاہی عطا کی۔ اس نغمے کو میں بھی دہرانے لگا، جونہی میں نے یہ الفاظ یا اس کے مماثل الفاظ دہرائے تو میں نے یکایک حضرت سلیمانؑ کی قربت محسوس کی۔ اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی کی مانند شعاؤں میں سے ایک میرے قلب کی جانب جب کہ دوسری شعاع سینے کی دوسری جانب پیوست ہوگئی۔ ان شعاؤں کی شدت اس قدر زیادہ تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دو بھاری میخیں میرے سینے میں گاڑھ دی گئی ہوں اس کے ساتھ ہی میری پرواز راکٹ کی سپیڈ سے بلندی کی طرف شروع ہوگئی اردگرد کے تمام مقامات کی ماہیت ایک طویل پٹی کی مانند تھی، جس میں ایک حصہ ہلکے سفید رنگ کا اور دوسرا بالکل خلا کی طرح کا تھا۔ یہ کیفیت کافی دیر تک مجھ پر طاری رہی۔ پھر کچھ لمحے بعد بالکل یہی کیفیت دوبارہ شروع ہوگئی اس مرتبہ فرق صرف یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کی بجائے حضور نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے فیضان ملا۔ اگرچہ ان مقدس ہستیوں کی صورت و شباہت تو نظر نہ آئی مگر یہ یقین حاصل رہا کہ یہ فیض انہی سے مل رہا ہے یہ کیفیات اس طرح وارد ہوئیں جیسے کسی مریض کو بے ہوش کیے بغیر اس کا آپریشن کیا جائے۔ ان مواقع پر غالباً حضرت ابراہیمؑ تھے جو نگرانی یا مشاہدہ فرما رہے تھے تاہم مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ تھے یا حضرت نوحؑ۔ مذکورہ بالا کیفیات مجھ پر دو مرتبہ دہرائی گئیں۔ اس کے بعد میں ایک عجیب قسم کے سمندر نما مقام تک پہنچ گیا جس میں داخل ہو کر بہت فرحت حاصل ہوئی۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والوں کو عجیب وغریب قسم کی روحانی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر سالک کا راستہ اور راستے کی سیر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ ان نازک مقامات اور کیفیات سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل اور رحمت کی ہر قدم پر ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے ساتھ جو خطرات وابستہ ہیں ان کی نشاندہی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ہادی ومرشد حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری کی کتاب ''تعمیر ملت'' سے متعلقہ اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کروں:

''جذب کی طرح کشف القبور اور رویت ارواح میں بھی کئی بڑے خطرات ہیں ایک تو یہ کہ یہ تماشا بہت دلچسپ ہوتا ہے اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر سالکوں کے دل میں اس کی وجہ سے کبر وغرور پیدا ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر سالک رویت ارواح کو ہی انتہائے بزرگی اور منتہائے سلوک سمجھ لیتے ہیں۔ ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اشغال واوراد سے دست کش ہو جاتے ہیں جو تکمیل سلوک کے لیے ضروری ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ یہ تو سلوک کی الف بے تے ہے ابھی تو دائرہ ولایت میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا گیا۔ ہم خود کئی ایسے طالبوں کو جانتے ہیں جو اس مقام پر ایسے پھنسے کہ پھر آگے نہ بڑھ سکے اور اپنے اصلی مقصد یعنی حصول معرفت ورویت باری تعالیٰ سے محروم رہ گئے اس لیے طالبان راہ حق کے فائدے کے لیے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مشاہدات پیش آئیں تو انہیں پر پشہ کے برابر بھی وقعت نہ دو۔ ہو سکے تو بالکل نفی کر دو، نہ ہو سکے تو نظر انداز کر کے برابر آگے بڑھتے رہو اور اس وقت تک قدم کو سست نہ ہونے دو جب تک عدم سے پار نہ ہو جاؤ کہ اصل حقائق کا پتہ عدم سے آگے ہی لگتا ہے۔''

قدیم انگلستان میں بیویوں کی خرید وفروخت

(رضی الدین سید)

آج جب کہ انگلستان سمیت تمام مغربی دنیا میں عورتوں کو شمع محفل بنا کر سر کا تاج مانا جا رہا ہے اور اُن کی حدود بہت وسیع کرنے کی خاطر بہت سارے قدیم قوانین ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیے گئے ہیں ، بہت پیچھے جا کر اُس دور کی مظلوم خواتین کی تاریخ دیکھنی چاہیے کہ کس قدر نفرت انگیز سلوک اُن کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ایک جیتی جاگتی ہستی جس کے سینے میں دل اور سر میں ایک دماغ تھا جس کی فطرت بھی کچھ حقوق مانگتی تھی اور جو اپنے لئے کسی تحفظ کی بھی طلب گار تھی ،وہ ایک شے بے کار سمجھی جاتی تھی اور اُس کے اور غلاموں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں پایا جاتا تھا۔ نہ صرف عام خواتین ، بلکہ ملکاؤں تک پر جبر وستم بلا کسی شرم وحیا کے روا رکھے جاتے ۔

یورپ کی تاریخ بتاتی ہے کہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی عیسائی بادشاہ اپنی بیویوں کو بلاوجہ قتل کر دیتے تھے یا ملکہ ہونے کے باوجود غلام سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے ۔ اس کے برعکس اسلام کا یہ مسئلہ تھا ہی نہیں ۔اُس کی یہ تعلیم ہی نہیں تھی کہ عورت کو ایک خرید وفروخت والی شے سمجھا جائے ۔ بے شمار حدیثیں اس ضمن میں ہر شوہر اور بیوی کے علم میں ہوتی تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ اس قسم کے گھناؤنے و دردناک قصوں سے یکسر پاک ہے اسلام خواتین کے لئے ایک دین رحمت ثابت ہوا اور جس نے اُنھیں مردوں ہی کی مانند ایک مکمل وجود اور قابلِ احترام قرار دیا۔اُسے ہر معاملے میں مردوں کا شریک کار ٹھہرایا۔

تاریخ کا یہ بھی ایک عبرت ناک باب ہے کہ برطانیہ میں سترہویں صدی کے

آخر سے بیسویں کے آغاز تک بیویاں با قاعدہ بکا کرتی تھیں ۔اس ضمن میں ملکہ وکٹوریہ کا دور بہت معروف ہے ۔ یہ تب ہوتا تھا جب میاں بیوی میں اختلافات نفرت کی حد تک اختیار کر جاتے تھے ۔طلاق بھی اس کا ایک حل تھا لیکن اُس میں قانونی پیچیدگیاں بہت تھیں اور عام افراد نہ صرف اُس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے تھے، بلکہ بیوی سے زنا کے جھوٹے الزام پر شوہر کو جیل بھی بھیجا جا سکتا تھا ۔یاد رہے کہ توراتی قانون کے تحت میاں بیوی میں علیحدگی صرف بدکاری کے جرم میں ہو سکتی ہے ۔صرف دولت مند طبقہ ہی طلاق کے جرمانے ادا کرنے کے قابل تھا ۔اس لئے ایک دوسرے سے تعلق توڑنے کی خاطر یہ جوڑے باہمی رضامندی سے فروخت کا قدم اٹھاتے تھے ۔ بیوی با قاعدہ اجازت دیتی تھی کہ اُسے کسی اور کے ہاتھوں فروخت کر کے اُس کی جان چھوڑ دی جائے ۔اس طریقے سے مرد کا طلاق کی بھاری مذہبی رقم کی ادائیگی سے بھی بچاؤ ہو جاتا تھا اور کسی ایک فریق کے قتل ہونے کے امکانات بھی ختم ہو جاتے تھے ۔طریقہ یہ ہوتا تھا کہ بیوی کی گردن، کمر اور بازوؤں کے گرد لگام جیسی رسی باندھ کر کسی جانور کی مانند شوہر اُسے لے کر مارکیٹ میں جاتا اور کسی درخت یا جنگلے سے اُس کی لگام کو باندھتا یا سب کے سامنے گھماتا پھراتا تھا ۔اس کے بعد اُس کی نیلامی کی جاتی تھی ۔مرد حضرات اُس کا معائنہ کرتے اور سودے بازی کرتے جس کے بعد ایک مخصوص قیمت پر بیوی فروخت ہو کر نئے خریدار کے پاس چلی جاتی ۔

سودے کے بعد با قاعدہ اعلان کیا جاتا تھا کہ مذکورہ عورت کا سابق شوہر سے اب تعلق ختم ہو گیا ہے اور فلاں فلاں شخص اُس کا نیا قانونی شوہر ہے ۔قدیم رومن قوانین میں کسی داشتہ کو اپنی بیوی قرار دینے کے لئے لازمی تھا کہ اُس کا دوست کسی دن بہت سے لوگوں کے سامنے داشتہ کے چہرے پر نقاب ڈال دے اور کہے کہ آج سے یہ میری بیوی ہے ۔اگر اُس

نے یہ عمل سب کے سامنے نہیں کیا اور بس تنہائی ہی میں اعلان کر دیا کہ یہ میری بیوی ہے، تو وہ قانونی طور پر اُس کی بیوی نہیں گردانی جاتی تھی۔

اگر چہ برطانوی قانون اس کے برعکس تھا اور ایسے عمل کی سزا بھی مقرر تھی۔ لیکن قانون بس ڈھیلا ڈھالا ہی تھا اور حکام اُس پر نظریں بند ہی رکھتے تھے۔ بلکہ ایک مجسٹریٹ کا تو علی الاعلان کہنا تھا کہ وہ نہیں سمجھتا کہ اس عمل پر کوئی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ بعد میں اخبارات کے اجرا کے بعد تو یہ کاروبار پھیلتا ہی چلا گیا۔ کبھی کبھی تو یہ عمل اخبارات میں با قاعدہ اشتہارات کے ساتھ بھی انجام پاتا۔ اگر کبھی کسی عورت کا بچہ ساتھ ہوتا تھا، تو خاتون کے ساتھ وہ بچہ بھی کسی اور کے پاس چلا جاتا جس کی قیمت عورت سے بہت کم رکھی جاتی تھی۔ واضح رہے کہ اُس دور تک عورت کو شوہر کی ملکیت ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے جائز مانا جاتا تھا کہ اپنی بیوی یعنی اپنی ملکیت کو وہ عام ملکیت کی مانند کہیں بھی فروخت کر دے۔ اس کاروبار کے لئے با قاعدہ مارکیٹیں موجود تھیں جہاں ہجوم پایا جاتا تھا۔

بیوی کی فروختگی کا یہ گندا کھیل سترہویں صدی کے آخر سے بیسویں صدی کی ابتدا تک جاری رہا۔ ایک قدیم برطانوی قانون دان اور تاریخ نویس ''جیمس برائس'' نے ۱۹۰۱ میں لکھا کہ یہ کاروبار اُس کے اپنے دور تک بھی جاری تھا۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے ''لیڈس پولیس'' کے سامنے اقرار کیا کہ اُس کے شوہر نے اُسے اپنے ساتھی دوست کو صرف ایک پاؤنڈ میں بیچا تھا۔ عورت کی قیمت انتہائی توہین آمیز حد تک گری ہوئی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ محض تین شلنگ یعنی آج کے تیس روپے تک میں بھی بک جاتی تھی۔

بچوں کی کہانیاں لکھنے والے ایک مصنف ''بیرنگ گولڈ'' نے اپنی کتاب میں پورا ایک باب اس موضوع پر تحریر کیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اپنے بچپن میں اُس نے ایک شاعر کو

دیکھا کہ مارکیٹ سے وہ ایک عورت کے ساتھ لوٹتے اُسے اپنی بیوی کہہ رہا ہے۔ بتا رہا ہے کہ سودا بہت مناسب طور پر ہوا، کیونکہ وہ مذہب اور قانون، دونوں کے عین مطابق تھا۔ انیسویں صدی کے ایک جج کا یہ تبصرہ ریکارڈ پر ہے کہ اُس نے کہا تھا، وہ محسوس کرتا ہے کہ اُسے بیویوں کی فروخت روکنے کا کوئی حق نہیں۔ وکی پیڈیا انکشاف کرتا ہے کہ بیویوں کی خرید وفروخت کا یہ سلسلہ انگلستان سے ہوتا ہوا پھر آسٹریلیا، فرانس اور امریکا تک پھیل چکا تھا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آغاز میں جا کر کہیں اُس کی رفتار مدھم پڑی تھی۔

وکی پیڈیا یہ بھی بتاتا ہے کہ اُس وقت کے شاہان اور ملکائیں اپنے عوام پر اس قدر زیادہ ٹیکس اور مالی بوجھ لاد دیتے تھے کہ غریب مزید غریب تر ہو جاتا تھا۔ سرکاری رقم کی ادائیگی کے لئے مجبور ہو کر نہ صرف اپنی بیوی کو مارکیٹ میں فروخت کرتا تھا بلکہ اپنے بچوں کو بھی! وکی پیڈیا کے مطابق سب سے آخری فروخت جو ریکارڈ پر درج ہو سکتی ہے، وہ ۱۹۱۳ میں لیڈس کے تھانے میں ایک عورت کی گواہی ہے کہ اُس کے شوہر نے اُسے اپنے ہی کسی ساتھی کو محض ایک پونڈ میں بیچا تھا۔ (وکی پیڈیا۔ وائف سیلنگ اِن انگلینڈ)

بہرحال جیسے جیسے شعور بیدار ہوتا گیا، بیویوں نے اعتراضات شروع کر دیے۔ تاہم مسئلہ حل ہونے کا امکان نہیں تھا کیونکہ مذہبی عدالتوں میں طلاق کا حصول بہت مہنگا طویل اور تکلیف دہ تھا۔ اس لیے بیویوں کی خرید وفروخت کا (شوہر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کی خاطر بیویوں کو فروخت کر دیتے) سلسلہ جاری رہا۔ کمزور مالی حیثیت رکھنے والے شوہروں کو عورتیں تو اصرار کرتی تھیں کہ گھریلو تشدد کی وجہ سے انھیں فروخت ہی کر دیا جائے۔ ایسے ہی ایک سودے کا ذکر کرتے ہوئے گوگل سرچ بتاتی ہے کہ ایک نیلامی میں ہوتے ہوتے بیوی کا آخری دام پانچ شلنگ ہی لگ سکا۔ لیکن بیوی کو وہ آدمی اچھا نہیں لگا، تو دام مزید گر گئے اور کسی

نے اُسے محض تین شلنگ ہی میں خرید لیا۔

ایک بار لندن کے کسی دکاندار نے اپنی بیوی کو کسی اور کے ساتھ سوتے ہوئے دیکھا تو بجائے غصے میں آنے کے اُس نے آشنا سے کہا کہ وہی اس عورت کو خرید لے اور اس طرح یہ سودا مکمل ہوگیا۔

اُس دور تک ہماری مانند تحریری نکاح نامہ عیسائیت میں بھی نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ شادی کے لئے مناسب عمر لڑکے کے لئے ۱۴ سال اور لڑکی کے لئے ۱۲ سال سمجھی جاتی تھی۔ یہ بھی معلوم رہے کہ ۱۷۵۳ تک شادیاں نہ تو گرجاؤں میں ہوتی تھیں اور نہ نکاح نامہ تیار کیا جاتا تھا۔ شادی کے بعد بیوی کی تمام آمدنی و جائیداد، اگر کوئی ہو، تو وہ سب ازروئے قانون، شوہر کی ملکیت بن جاتی تھی۔ عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ تھا۔ حال یہ ہوگیا کہ گرجا نے بھی اسے ایک "ناگزیر برائی" کے طور پر قبول کیا ہوا تھا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں، جبکہ بیشتر مرد جنگ کے واسطے رخصت ہو گئے تھے اور اُن کی واپسی کا امکان نہ رہا تھا، بیویاں خود بھی اپنے آپ کو بیچنے کے لئے نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ سات سال کے غائب رہنے کا عرصہ طلاق کے لئے قانونی سمجھا جاتا۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سات سال بعد جب شوہر واپس آتا، تو اپنی بیوی کو کسی اور کے گھر پاتا۔ پھر وہ نئے شوہر سے اُس کی کوئی قیمت وصول کر کے اُسے گویا قانونی علیحدگی دے دیتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بیوی خریدنے والے کے پاس اگر پوری رقم نہیں ہوتی تھی اور وہ قسطوں میں ادائیگی کی درخواست کرتا تو لڑائی جھگڑا کھڑا ہو جاتا تھا۔

ایک طرف شوہر بیوی کو کھینچ رہا ہوتا اور دوسری جانب نیا خریدار۔ یہ صورت حال دیکھ کر کبھی کبھی ہمدرد لوگ بقیہ قیمت سابقہ شوہر کو ادا کر دیتے۔ یوں بیچاری بیوی اس کھینچا تانی

کے بعد اپنے نئے ''شوہر'' کے ساتھ رخصت ہو جاتی۔ یہ بالکل وہی عمل ہے جو کسی مارکیٹ میں اشیاء کی خرید و فروخت میں اکثر دیکھنے کو ملتا ہے (وکی پیڈیا۔ گوگل۔ Wife Selling)۔ برطانوی تاریخ کا یہ باب اس قدر بدنما و مضحکہ خیز ہے جسے کبھی مٹایا نہ جا سکے گا۔ مغرب سے مکالمہ کرتے ہوئے ہمیں لازماً اُن کی عورتوں کی اس شرم ناک بے بسی کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔

دیکھا جائے تو سچی بات یہ ہے کہ مغربی عورت کا مقام آج بھی اُس قدیم مقام سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ وہ سب کی ہو کر بھی کسی کی نہیں۔ تنہائی کے صحرا میں وہ آج بھی لاچار و بے سہارا کھڑی ہے۔ حقوق کی بھر مار کر دینے کے نام پر اُن کے مردوں نے کمال ہوشیاری سے انھیں ایک نئی وجدید شکل میں بار دگر غلام اور بکنے والی شے بنا کے رکھ دیا۔ گوگل پر جا کر آپ Wives Sellings in England ٹائپ کریں، تو وہ آپ کو ان گوری چمڑی والوں کی ساری شرم ناک حرکتیں واکر دے گا۔

قوموں اور افراد کیلئے بھی عروج و زوال کا یہی معیار ہے کہ جب تک کوئی فرد، یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے۔ اور ہر حادثہ اس کوئی طاقت بخشتا ہے۔ ہر آزمائش اس کی قوتوں کو جلا بخشتی ہے لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور انکا طریقہ کار راہ راست سے بھٹک جاتا ہے تو عزت و کرامت کا جو تاج صدیوں سے ان کے سر پر جگمگا رہا تھا وہ چپکے سے اتار لیا جاتا ہے۔ (اقتباس از مقصود حیات)

تاج دار مدینہ مدینے میں

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

نماز جمعہ کے بعد حضورﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔اس شہر کا نام پہلے یثرب تھا۔آج کے بعد اس کا نام مدینۃ الرسول ہوگیا جسے اختصار کے لئے''مدینہ'' کہتے ہیں۔لفظ مدینہ کے معنی شہر کے ہیں۔حضورﷺ کا یہ داخلہ عجیب پر کیف اور روح پرور تھا۔اس فقیرانہ استقبال کو ہزاروں شاہانہ استقبال ہمیشہ رشک کی نگاہوں سے دیکھتے رہیں گے۔ استقبال کے بہتیرے نظارے دنیا نے دیکھے ہیں اور دیکھتی رہے گی۔لیکن شیفتگی'عقیدت' عظمت' محبت'فدویت اور مخلصانہ پروانگی کا جو وجد آفرین نظارہ آج نظر آرہا ہے اسے چشم کائنات نے نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔

حضورﷺ ایک اونٹنی پر جلوہ افروز ہیں۔پروانوں کا ہجوم ساتھ ہے۔ سارے خرد وکلاں اور شیخ وشاب دورویہ کھڑے مطلوب کائنات کے جمال کا نظارہ کررہے ہیں مخدرات مدینہ چھتوں پر کھڑی دولت دیدار سمیٹ سمیٹ کر اپنی روح کو مطلع انوار بنارہی ہیں آنکھیں فرش راہ ہورہی ہیں۔

زیر قدمت ہزار جان است

آ پیارے نیہن میں پلک تو ہے موند لوں

نا ئیں دیکھوں اور کو نا تو ہے دیکھن دوں

ہر شخص ناقے کو اپنی طرف متوجہ کررہا ہے کہ حضورﷺ اسی کے گھر کو اپنے قیام سے رشک فردوس بنائیں۔حضورﷺ نے یہ کش مکش محسوس کر کے ارشاد فرمایا:''اس ناقے کو چھوڑ دو

یہ قدرت کی طرف سے مامور ہے۔''مطلب یہ ہے کہ خدا اسے جہاں بٹھا دے گا وہیں کے قریب ترین گھر کو اپنی قیام گاہ بنالوں گا۔حضور کے اس فیصلے کے بعد ترجیح بلا مرجح کا کوئی ایسا شائبہ نہ رہا جس کے نتیجے میں ایک کی دلداری اور باقی سب کی دل شکنی ہو۔

کبھی پروانوں کی بلند تکبیر و تسبیح کون و مکان کو گرما دیتی اور کبھی حضورﷺ کی جنبش لب پوری فضا پر سکون وسکوت طاری کر دیتی۔اس وقت زبان رسالت پر یہ پر تاثیر جملے ہوتے: ترجمہ:اے لوگو! اسلام کو پھیلاؤ' (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ' صلہ رحمی کرتے رہو اور راتوں کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز (تہجد) ادا کرو (بس اتنی ہی باتوں پر عمل کرنے سے) تم سلامتی کے ساتھ داخل بہشت ہو جاؤ گے۔

ذرا ان چھوٹے چھوٹے جملوں پر بھی غور کیجیے۔کسی جملے میں صرف دو لفظ ہیں۔ کسی میں تین اور کسی میں چار۔بندوں کا تعلق خدا سے اور خدا کے دوسرے بندوں سے کیا اور کس نوعیت کا ہو' عمل کی دنیا میں اس کا بنیادی پتھر کیا ہے اور اس کے نتیجے میں کس طرح جنت کی زندگی دنیا و آخرت میں نصیب ہوتی ہے؟ ان ساری معاشی و روحانی اقدار کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

تشریح ارشادات

افشــــوا الســـلام سے مراد محض السلام علیکم' وعلیکم السلام کہہ دینا نہیں بلکہ یہ دعاؤں کی شکل میں ایک ایسی عالم گیر آرزوؤں کا تبادلہ ہے جس کا عملی ظہور سارے عالم میں فساد کو دور کر کے ہر طرح کے امن اور سلامتی کا ضامن ہو۔

اطعمو الطعام کا یہ مطلب نہیں کہ مہاجرین کی خوب دعوتیں کرو، یا کبھی کبھی بھوکے سائل کو بھیک کے طور پر کچھ ٹکڑے دے دیا کرو۔اس کا مقصد ایسا ہموار نظام معاش قائم

کرنا ہے جو دنیا سے بھوک اور محتاجی کو ختم کر دے اور سب کے لئے آسودہ حالی کی فضا پیدا کر دے

صلوا الارحام سے یہ مقصد نہیں کہ اپنے گھرانے' خاندان یا قبیلے کے قریب وبعید کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک کر کے مطمئن ہو جاؤ بلکہ اس کا مقصد ایسی وسعت نظر اور ایسی بلند نگاہی پیدا کرنا ہے کہ صلہ رحمی کا یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے سارے کے سارے بنی آدم پر محیط ہو جائے' کیوں کہ سارے انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں اس لئے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ یہی وسیع القلبی ان تمام تعصّبات کو ختم کر سکتی ہے جو وحدت انسانی کے درمیان حائل ہو کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

صلوا بلليل والناس نيام سے مراد صرف اسی قدر نہیں کہ چند کلمات وحرکات ادا کر کے یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے بہت بڑا وظیفہ پورا کر لیا۔ محض ''وظیفہ'' نہیں۔ یہ وظیفہ زندگی ہے اور خدا سے اپنا رابطہ قوی کرنے کی ایسی مشق ہے جو پوری زندگی پر پھیل جاتی ہے اور خدا کی مخلوق سے اپنا رابطہ قائم رکھتے وقت حدود اللہ کی نگہداشت پیش نظر ہو جاتی ہے۔

تدخلو الجنه بسلام صرف اس جنت کی ضمانت نہیں جو مرنے کے بعد ہوتی ہے بلکہ یہ پورا پروگرام اس دنیوی زندگی میں بھی جنت ارضی اور بہشت بہ کنار معاشرے کا ضامن ہے۔ گویا یہ چند بلیغ جملے سارے اسلامی مقاصد کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اور اسلامی معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو چھوٹ گیا ہو۔ اس تعلیم کا آغاز تو بہر حال ایک مختصر سے دائرے ہی سے محسوس شکل اختیار کرے گا لیکن مقصد اسے سارے زمان ومکان کے لئے ہمہ گیر صورت بنا دینا ہے۔

عبداللہ بن سلام کا پہلا تاثر: اس جلوس پر خلوص کا منظر دیکھنے کے لئے بہت سے غیر مسلم بھی آئے ہوئے تھے۔ انہی میں یہودیوں کے پیشوا (حبر) عبداللہ بن سلام بھی تھے جو ایک

کھجور کے سائے میں کھڑے یہ پر کیف نظارہ دیکھ رہے تھے۔خطبۂ نبوی کے پہلے جملے میں لفظ سلام تھا(**افشــوا السـلام**)جو ایک طرف سارے عالم کے لئے سلامتی کا پیغام تھا تو دوسری طرف سلام کے فرزند عبداللہ کے دل میں پیوست ہوا جا رہا تھا۔گویا عام تخاطب کے پردے میں فرزند سلام ہی کو مخاطب کیا جا رہا تھا۔عبداللہ بن سلام غیر ارادی طور پر متاثر ہو رہے تھے۔جب مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو بے اختیارانہ انداز سے عبداللہ بن سلام نے بھی زور سے اللہ اکبر کہا۔ان کی والدہ یا پھوپھی (خالدہ بنت حارث)ان کے پاس کھڑی تھی ۔انھوں نے کہا کہ:''تم تو اس طرح نعرہ لگا رہے ہو جیسے موسیٰ ہی تو آ گئے ہوں۔''عبداللہ نے کہا:''ہاں ہاں بخدا یہ وہی ہے جس کی آمد کی خبر موسیٰ نے دی ہے۔خدا کی قسم یہ نور جمال کسی جھوٹے کے چہرے پر نہیں ہو سکتا۔''

یہ عبداللہ کچھ دنوں کے بعد اسلام لے آئے جس کی دلچسپ تفصیل آگے آئے گی۔

استقبالی ترانے اور ان کی قدر افزائی:

حضورﷺ آگے بڑھے تو دیکھا کہ حبشی نوجوان ہتھیار لیے ہوئے فوجی انداز سے اچھل کود رہے ہیں اور جوش و مستی کے ساتھ سب مل کر یہ ترانہ الاپ رہے ہیں:

محمد نبی عبد صالح

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی اور صالح بندے ہیں۔

اس سے آگے انصاری عورتیں یہ استقبالی گیت گا رہی ہیں:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا　　جیئت بالامر المطاع

۱۔ آج ہمارے ہاں وداع کے ٹیلوں سے چاند اُگا ہے۔

۲۔جب تک دعا کرنے والا دعا کرتا رہے ہم پر اس نعمت کا شکر الٰہی واجب ہے۔

۳۔اے وہ جو ہم میں مبعوث ہوا ہے تو واجب الا طاعت دین لے کر آیا ہے۔

اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ معصوم لڑکیاں یہ ترانہ استقبال الاپ رہی ہیں:

نحن جولر من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

ہم نجاری لڑکیاں ہیں ۔خوش نصیب کہ محمد رسول اللہ ہمارے پڑوسی ہو گئے ہیں ۔

حضورﷺ نے ان بچیوں سے سوال کیا کہ: کیا تمھیں مجھ سے محبت ہے؟ بچیوں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہﷺ ۔حضورﷺ نے فرمایا خدا گواہ ہے کہ میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔

ابوایوب انصاری کی قسمت بیدار: حضورﷺ کی سواری اسی درویشانہ کروفر کے ساتھ جارہی تھی اور ہر شخص اس انتظار میں تھا کہ دیکھیں یہ ناقہ کہاں جا کر از خود ٹھہرتا ہے۔یہ ناقہ چلتے چلتے خود ایک جگہ رکا اور بیٹھ گیا حضورﷺ وہاں اتر پڑے اور فرمایا: یہی جگہ میرا مدفن بھی ہو گی ۔پھر معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب ترین گھر ابو ایوب انصای کا ہے' اس لئے حضورﷺ وہیں فروکش ہو گئے ۔یہ مکان دومنزلہ تھا۔ ملنے والوں کی سہولت کے خیال سے حضورﷺ نے نچلی منزل کو پسند فرمایا ۔ابوایوبؓ کے لئے یہ ایک بڑی کشمکش کا موقع تھا۔ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ حضورﷺ نیچے نہ ہوں اور حضورﷺ کی خواہش کا احترام یہ تھا کہ ابو ایوبؓ اوپر ہی رہیں ۔یہاں **الامــر فـوق الادب** کا اقتضا غالب آیا اور ابوایوبؓ اپنے بال بچوں سمیت اوپر کی منزل پر چلے گئے ۔ٹھیک ہے جڑ نیچے اور شاخیں اوپر ہی ہوتی ہیں ۔لیکن

بیہقی کی روایت کے مطابق ابوایوبؓ اس شب کو کنارے کہیں پڑ رہے اور دوسرے دن باصرار حضورﷺ کو اوپر کی منزل پر پہنچادیا۔ اللہ اعلم۔

حق میزبانی: دنیا میں نہ کبھی ایسا مہمان ہوا نہ ایسا میزبان۔ ابوایوبؓ دونوں وقت حضورﷺ کے لئے کھانا لاتے اور اس وقت تک ان کے ہاں کوئی نہ کھاتا جب تک حضورﷺ نہ کھالیتے۔ جب حضورﷺ کھاچکتے تو حضورﷺ کا پس خوردہ یہ واپس لے جاتے اور مع اپنی بیوی کے وہی پس خوردہ کھاتے۔ کھانے میں جس جگہ حضورﷺ کی انگشت مبارک کا نشان ہوتا یہ بھی وہیں حصول برکت کے لئے اپنی انگلیاں لگا کر شروع کرتے۔ جو شخص نشان انگشت کا اتنا خیال رکھتا ہو وہ نقش قدم پر کیوں نہ چلتا ہوگا۔

بیہقی کی روایت ہے کہ ایک بار اوپر پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا اور قبل اس کے کہ یہ پانی حضورﷺ کی طرف نیچے گرے ابوایوبؓ نے فوراً اپنا لحاف وغیرہ ڈال کر سارا پانی جذب کرلیا مہمان نوازی کا یہ انوکھا انداز اور کہاں مل سکتا ہے؟ حضورﷺ نے یہاں سات ماہ قیام فرمایا اور ازواج مطہرات (یعنی حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ) کے حجرے بننے کے بعد حضورﷺ یہاں سے منتقل ہوئے۔ حضورﷺ نے یہیں سے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ دے کر مکے بھیجا جو حضورﷺ کی دو صاحب زادیوں (حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ) اور ام المومنین سودہ بنت زمعہؓ اور اسامہ بن زیدؓ اور ان کی والدہ ام ایمن کو لے آئے۔ ساتھ ہی جناب ابو بکر نے اپنے صاحب زادے عبداللہ کو بھیجا تھا جو خاندان صدیقؓ کو (جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں) جا کر لے آئے۔ حضورﷺ کی ایک صاحب زادی رقیہؓ تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشے میں تھیں اور دوسری حضرت زینبؓ تھیں جن کو ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے روک لیا تھا۔ یہ ابوالعاص ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔

عہد نبوی میں نظام تعلیم

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

سوال نمبر ۱: حضرت عمرؓ کو توریت پڑھتے دیکھ کر آنحضرت ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا لیکن عبداللہ بن عمرو بن العاص کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں اس کی اجازت دی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس سے پہلے کہ میں سوال سے متعلق اپنے خیالات ظاہر کروں، میں اس میں کچھ اضافہ کروں گا کہ اور بھی لوگوں کو توریت پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام کو، جو پہلے یہودی تھے، پھر مسلمان ہوئے۔ ان کے متعلق صراحت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دی کہ ایک دن توریت پڑھو اور ایک دن قرآن مجید تو پھر حضرت عمرؓ کو کیوں روکا یہ بتانا قدرے مشکل ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں ذہن میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ توریت پڑھنے کی اجازت خصوصی ہو سکتی ہے جو صرف ان لوگوں کو دی جا سکتی ہے جن کی معلومات اسلام کے متعلق کافی ہوں، جن کا ایمان راسخ ہو۔ اور جن کو غیر مذاہب کی کتابیں پڑھنے سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو ان حالات میں آپ پوچھیں گے کہ حضرت عمرؓ کو کیوں منع کیا گیا۔ اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ ایک تو ممانعت کا یہ واقعہ اسلام کے ابتدائے زمانے سے تعلق رکھتا ہے، جبکہ عبداللہ بن عمرو کو اجازت دی گئی ہے وہ ذرا بعد کی چیز ہے۔ ان کے زمانے تک قرآن کا بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا وہ بڑے قابل نوجوان تھے۔ ان کے متعلق یہ اطمینان تھا کہ وہ اسلام پر مستحکم ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے توریت

پڑھنے پر اگر آنحضرت ﷺ خاموش رہتے تو باقی لوگ اسے اپنے لیے جواز بنا لیتے اور لوگ اسے اپنے لیے اجازت تصور کرتے حالانکہ یہ اجازت سب لوگوں کو نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس سوال کے سلسلے میں ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عہد نبوی میں بعض ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ شروع میں آپ ﷺ ایک چیز سے منع فرماتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی اجازت دے دیتے ہیں۔ مثلاً ایک مشہور حدیث ہے کہ ”میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا‘ اب تم زیارت کے لئے جا سکتے ہو۔“ اس کے سوا میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کوئی وجہ آپ کے ذہن میں آئی ہو۔

سوال نمبر۲: بیعت عقبہ میں دیا جانے والا قرآن مجید کا نسخہ مدینے کی مسجد میں رکھا گیا تھا‘ کیا مدینے میں مسجد نبوی کے علاوہ بھی مساجد تھیں؟

جواب: جی ہاں‘ مسجدیں تھیں اور بہت سی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعت عقبہ میں بارہ قبائل کے لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ جن میں سے تین شاید اوس کے اور نو خزرج کے تھے چونکہ اوس اور خزرج میں جھگڑے تھے اس لیے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان کی مسجد ایک ہی ہو شہر بڑا تھا اور اس کا پتا بھی چلتا ہے کہ بہت سی مساجد تھیں لیکن ان کی صحیح تعداد بتانا دشوار ہے۔ ہمیں مسعودی کی تاریخ مدینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام پر مسجد نبوی بنائی گئی تو وہاں دراصل ایک نئی مسجد بنانے کی بجائے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی پرانی مسجد ہی میں توسیع کی گئی تھی اور اس پرانی مسجد میں صرف قبیلہ بنو نجار کے مسلمان نماز پڑھتے تھے۔ ممکن ہے ان کی تعداد پندرہ بیس رہی ہو لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اس قبیلے کے علاوہ اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے آنے لگے تو وہ چھوٹی مسجد ناکافی ہو گئی‘ چنانچہ اس کی توسیع کی گئی۔ یہی مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت عقبہ کے وقت کا قرآن مجید مسجد بنی

زریق میں رہا۔

سوال نمبر۳: پچھلے سال کسی لیکچر میں آپ نے موسیقی کے بارے میں فرمایا کہ اسلام میں اس کی اجازت ہے ۔کیا ساز کی بھی اجازت ہے' جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں آلات مزامیر کوتوڑنے کیلئے آیا ہوں۔

جواب: آپ مجھے اس حدیث کا حوالہ دیں اگر حدیث صحیح ہوئی تو میں قبول کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہوں۔باقی رہے ساز' تو میری موسیقی دانی کا یہ عالم ہے کہ مجھے علم نہیں کہ ساز کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر۴: دوسرے علوم کی طرح علم نجوم بھی ایک علم ہے اس علم کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر واضح کریں۔فال نکالنے اور ہاتھ دکھانے وغیرہ کو بھی مدنظر رکھیں؟

جواب: جس علم نجوم کا حدیث میں ذکر ہے اسے ہم Astronomy کہہ سکتے ہیں ۔ یہ وہ نہیں ہے جسے Astrology کہتے ہیں ۔اس کے متعلق صراحت کے ساتھ بعض حدیثوں میں ذکر آتا ہے جولوگ علم نجوم کی اساس پر کچھ بیان کرتے ہیں وہ ایک سچی بات اور ہزار جھوٹی باتیں کرتے ہیں ۔اس کی توجیہ یوں کی جاتی ہے کہ بعض جن آ کرانھیں معلومات فراہم کرتے ہیں لیکن یہ ''جن'' خودکس طرح علم حاصل کرتے ہیں؟ وہ آسمان کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے کبھی کبھی آسمان کی کوئی چیز ان کے کان میں پڑ جاتی ہے اور وہ زمین پر آ کر اپنے معتقدین کو ایک سچ میں ہزار جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں ۔غرض وجہ جو بھی ہو اس بیان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم نجوم کو Astrology کے معنی میں اسلام میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہے۔

فال نکال کر حوصلہ افزائی کرنا بار ہا خود رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خاص کر قبائل کے ناموں کی اساس پر یعنی دو راستے ہوں' ایک پر پڑنے والے قبیلے کا نام اچھے معنی رکھتا تو ادھر جاتے'

براہوتو اسے ترک فرمادیتے ہاتھ دکھانے (Chiromancy Palmistry) میں ہتھیلی کی لکیروں کی اساس پر رائے زنی کی جاتی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ کسی دو آدمیوں کی ہتھیلیوں کی لکیریں یکساں نہیں ہوتیں۔انگوٹھے کے نشان کا بھی یہی حال ہے اور اسے مغربی ممالک میں تو شناخت کے لئے قانونی قبولیت بھی حاصل ہے۔ہاتھ بتانا دل بہلائی کی حد تک ہوتو میری دانست میں اس کی کوئی شرعی ممانعت نہ ہوگی' ایک لطیفہ عرض کرتا چلوں ایک مرتبہ پیرس میں میرا ہاتھ دیکھ کر کسی نے کہا تمہاری دو بیویاں ہونی چاہئیں۔دوسرے نے کہا تم وزیر اعظم بنو گے۔ان میں سے کوئی ایک بات بھی اب تک تحقیق پذیر نہیں ہوئی۔ظاہر ہے کہ مجھے اس علم پر اعتقاد نہیں۔یہ کم و بیش خواب کی تعبیروں کی طرح کی چیز ہے۔

سوال نمبر ۵: کیا وجہ ہے کہ دور نبوی اور اس کے بعد کے مدارس زیادہ تر دینوی تعلیم کے لئے وقف تھے؟

جواب: مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔میں نہیں جانتا کہ ایسا ہی تھا۔اس کے برخلاف جتنے بھی مدارس تھے ان میں دینی تعلیم ہی ہوتی تھی۔مثال کے طور پر بغداد کا مدرسہ نظامیہ جس کی غزالی نے بھی صدارت کی تھی' وہاں دینوی تعلیم وعلوم کا کوئی ذکر نہیں ملتا' دینی علوم ہی ملتے ہیں۔دینوی علوم کو چھوڑ دیا گیا تھا مثلاً میں نانبائی ہوں یا لوہار اور سنار وغیرہ ہوں تو میں ہی اپنے بچے کو اس فن کی تعلیم دے دیتا ہوں۔آج بھی رواج ہے کہ اگر کوئی اجنبی میرے پاس آئے تو میں اپنے فن کی ساری باتیں شاید اسے نہیں بتاؤں گا' لیکن اپنے بچے سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔اسی لیے پرانے زمانے میں حکومت نے اس میں دلچسپی لینے کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسا کرنے کی کوئی ممانعت تھی۔اگر آج کوئی اسلامی حکومت پیشہ ورانہ تعلیم کے مدارس اپنی نگرانی میں قائم کرنا چاہے تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے' بلکہ ایک لحاظ سے بہتر

ہے کہ یہ تعلیم بھی بغیر کسی دشواری کے سارے بچوں کو حاصل ہو گی اور طالب علموں کو ایسے نامعقول اساتذہ سے نجات ملے گی جو کام کی باتیں اجنبی طالب علموں سے چھپاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کے بارے میں مجھے ایک حدیث یاد آ رہی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص علم کو چھپائے 'قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی' لیکن ظاہر ہے کہ آخرت کے خیال کو بعض لوگ طاق میں رکھنے کے قابل سمجھتے ہیں 'عمل کرنے کے قابل نہیں۔

سوال نمبر ۶: آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس مریض آتے تو رسول اللہ ﷺ ان کے حالات سن کر مرض کے مطابق کوئی دوا یا غذا علاج کے طور پر تجویز فرما دیتے ایسی دوائیں یا غذائیں چند صحابہؓ نے بھی نوٹ کیں؟

جواب: یہ آخری جز میں نے نہیں کہا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صحابہؓ نے اس کی روایت کی تا کہ اس کے ذریعے سے حدیث کی کتابوں میں اس کا ذکر آئے۔ لیکن صحابہ نے اس پر کتابیں نہیں لکھیں البتہ بعد کے زمانے میں بعض لوگوں نے طب نبوی کے نام پر حدیث سے حاصل ہونے والی ایسی معلومات کو جمع کر کے کتابی صورت دیدی۔ ان کتابوں کے نام آپکو "کشف الظنون" میں مل جائیں گے اور ایسے مؤلفوں کی تعداد دس بارہ تک ہے لیکن چونکہ یہ میرے فن کی چیز نہیں اس لیے میں نے یہ نام یاد نہیں رکھے۔ ایک مرتبہ جمع کیے' اور پھر بھول گیا۔ معذرت چاہتا ہوں۔

سوال نمبر ۷: کیا اسلام میں مخلوط تعلیم کی اجازت ہے اور اگر ہے تو اسلام کہاں تک اس کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ ممکن ہے ان کے بیٹھنے کی جگہ الگ الگ ہو لیکن اس مقام پر' جہاں رسول اللہ ﷺ تقریر فرماتے'

دونوں کے لیے بیک وقت استفادہ کرنے کا امکان تھا۔اس سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ سکول وکالج میں اس طرح کا انتظام کیا جا سکے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی نشستیں جدا جدا ہوں تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔خاص طور پر اگر کسی فن کا ماہر صرف ایک عورت یا صرف ایک مرد ہو تو اس سے دونوں کو استفادہ کرنا چاہیے لڑکوں کو بھی لڑکیوں کو بھی۔اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ دونوں کی تعلیم کا بیک وقت انتظام ہو سکے۔مثلاً غور کیجئے کہ ''کتاب الاموال''علم فینانس جیز ٹیکنیکل چیز کی ایک پرانی کتاب ابوعبید قاسم کی ہے۔اس کی روایت کرنے والوں کی فہرست میں سب سے نمایاں نام ایک عورت کا ہے۔وہ اپنے گھر میں اس کا درس دیا کرتی اور درس کو سننے کے لئے مرد بھی آیا کرتے تھے۔اس کا انتظام کہ مرد اور عورتیں اکٹھے درس میں شریک ہوں' کیسے ہوتا تھا مجھے معلوم نہیں۔لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی استاد سے مرد اور عورت دونوں استفادہ کر سکتے ہیں۔اس طرح قرآن مجید (۳۳:۵۳) کا یہ فرمان کہ جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز پوچھنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے پوچھو۔ظاہر ہے کہ پردے کے پیچھے سے سوال کرنے کی ضرورت صرف مردوں کو پیش آ سکتی تھی' خواتین کے لئے اس کی ضرورت نہیں۔ان مختلف پہلوؤں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضرورت اور حالات پر منحصر ہے کہ اگر دونوں کے لئے الگ الگ مدرسے اور کالج بن سکتے ہیں تو بہت بہتر' ورنہ پھر تعلیم کا انتظام ایک ہی جگہ بھی ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر ۸: ہمارے ملکی وسائل کے مطابق عورتوں کی اتنی یونیورسٹیاں قائم نہیں کی جا سکتیں جتنی مردوں کی ہیں۔حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے علم کا حصول فرض ہے ان حالات میں اسلامی نقطہ نظر سے ان مسائل کا کیا حل ہوگا؟

جواب: میرا تاثر یہ ہے کہ لڑکیوں کی بڑی اکثریت اس قدر تعلیم پانے کی خواہشمند نہیں ہوتی

جس طرح لڑکا تعلیم حاصل کرنا چاہے گا۔اس لیے لڑکیوں کو عام طور پر مڈل یا ہائی سکول تک تعلیم‘ ان کی ضرورت کے مطابق دی جائے کیونکہ اس کے بعد ان کی شادی ہو جاتی ہے اور انھیں اپنے گھریلو کام کاج میں مشغول ہو جانا پڑتا ہے۔جن لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم پانے کی ضرورت ہے‘ تو میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ انتظام کو ترقی دی جاسکتی ہے۔اور خالص زنانہ یونیورسٹیاں نہ بھی بن سکیں تو بھی ان کی تعلیم کا ایسا بندوبست کیا جاسکتا ہے کہ وہ قباحتیں پیدا نہ ہوں جواب پیش آتی رہتی ہیں۔

سوال نمبر ۹: علم فلکیات والے کہتے ہیں کہ ستاروں کا اثر انسان کی عملی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔اس سلسلے میں مسلمان ہوتے ہوئے ہمیں نجومیوں کی باتوں پر کہاں تک یقین کرنا چاہیے: اور اس طرح ہاتھوں اور زیورات میں استعمال ہونے والے پتھروں کے بارے میں بھی مہربانی فرما کر وضاحت کریں۔

جواب: فلکیات کے دو پہلو ابھی ایک دوسرے سوال کے سلسلے میں عرض کر چکا ہوں اسٹرانومی اور اسٹرالوجی میں فرق کیجئے۔اسٹرانومی بہت اچھی چیز ہے۔اس کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے اور اسٹرالوجی کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ اعتماد کرنے کی چیز نہیں ہے‘ کبھی کبھی اسٹرالوجی کے ماہر سچی بات ضرور کہہ دیتے ہیں لیکن وہ عام طور پر ایک من گھڑت چیز ہوتی ہے۔خیال فرمائیے کہ یہ نجومی مجھ سے میری مستقبل کی زندگی ضرور بیان کرتے ہیں لیکن خود اپنی زندگی کے متعلق کبھی نہیں سوچتے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بیچارے تمام عمر مفلس ہی رہتے ہیں اور بھیک کی طرح لوگوں سے کچھ پیسے مانگتے ہیں۔یہ ہمارے لیے ایک سبق ہے کہ ان کی ان باتوں پر یقین نہ کریں۔جو ہمارے سامنے ہمارے متعلق بیان کرتے ہیں‘ یہ بات کہ ستاروں کا اثر انسانی زندگی پر ہوتا ہے‘ ممکن ہے ایسا ہوتا ہو کیونکہ ہمیں بعض اوقات مجبور ہو جانا

پڑتا ہے کہ ایسی نظر نہ آنے والی چیزوں پر ایمان لائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں ستاروں کے اثرات ہوتے ہیں بلکہ یہ کہ بعض اوقات غیر مرئی اشیاء کو ماننے پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ میرا منشا واضح ہو۔ چند مہینے کی بات ہے کہ ایک عیسائی انجمن نے پیرس میں مجھے ایک جلسے میں شرکت کی دعوت دی اور وہاں پر ایک فرانسیسی عیسائی عورت نے مجھ سے سوال کیا کہ آج کل مسلمانوں کے ہاں دینی عبادات کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ کچھ عرصہ پہلے پیرس کے مسلمان نماز روزے پر کم توجہ دیتے تھے اب ان میں روز افزوں شوق نظر آتا ہے۔ اس نے کہا ہمارے ہاں بھی یہی حال ہے۔ پہلے گرجے خالی رہتے تھے اب گرجے میں جگہ نہیں ملتی۔ اس کی کیا توجیہ کریں گے؟ اسے سوائے ستاروں کی گردش کے اثر کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔؟ اس کے سوا اور کوئی جواب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں اسے اللہ کا فضل قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر ہم اپنے فرائض وواجبات سے غافل ہوں تو اسے اللہ کا غضب کہا جا سکتا ہے۔

ستاروں کے اثرات کے سلسلے میں بچہ بچہ جانتا دیکھتا ہے کہ سورج کی گردش کے مطابق گرمی، سردی، بارش، خزاں، بہار کے موسم آتے ہیں: چاند کی گردش سے سمندر میں مدو جذر آتا ہے۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ بعض بیماریوں جنون وغیرہ کے جوش میں اس سے شدت یا خفت بھی مشاہدے میں آتی ہے۔ دیگر کروڑوں ستاروں کے مجموعی اثرات اور ان ستاروں کے قران یعنی اجتماع کے مخلوط اثرات کیا پڑتے ہیں، اس بارے میں ابھی ہماری معلومات صفر سے بھی کم ہیں۔ لیکن جیسا کہ حدیث شریف میں صراحت ہے "جو کہے گا کہ فلاں ستارے نے اپنے طلوع (نوء) کے باعث یہ اثر ڈالا ہے تو وہ کفر ہے، کہنا یہ چاہیے کہ اللہ نے اس میں یہ تاثیر پیدا کی ہے۔" ہیرے جواہرات کے متعلق اسلام میں کوئی ممانعت

نہیں، اور ان ''پتھروں'' پر زکات بھی نہیں ہے، ممکن ہے کہ ان ''پتھروں'' کے پہننے والے (یا والی) پر بھی ان پتھروں کے اثرات ہوتے ہوں۔

سوال نمبر ۱۰: آپ نے پہلے بھی فرمایا تھا اور آج بھی ذکر کیا ہے کہ مہاتما بدھ غالباً نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ نبی بھیجے ہیں۔ یہی سوال سری کرشن کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں نے انھیں جس رنگ میں پیش کیا وہ ایک الگ بات ہے۔ مگر درحقیقت سری کرشن ایک اوتار تھے اور وحدانیت پر یقین رکھتے تھے۔ کسی جگہ پڑھا ہے کہ کورو پانڈووں کی لڑائی سے پہلے سری کرشن نے خدا سے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کا واسطہ دے کر پانڈووں کے لئے دعا مانگی تھی۔ بعد میں پانڈو کو فتح بھی ہوئی۔ ایسی دعا جس میں بہت بعد کے نبی اور ان کے صحابی کا ذکر موجود ہو کوئی نبی ہی مانگ سکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ کا واسطہ دے کر سری کرشن جی نے دعا کی ہو۔ ویسے یہ بات میرے علم میں ہو بھی تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ میں نے گوتم بدھ کے نبی ہونے سے متعلق کچھ اشارے کیے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی اور کی نبوت سے انکار کرتا ہوں۔ سری کرشن جی بھی نبی ہو سکتے ہیں۔ زردشت بھی نبی ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ لیکن ایسی تمام صورتوں میں جب تک قرآن وحدیث میں ان کا نام نہ آیا ہو تو ہم یقین نہیں کر سکتے۔

سوال نمبر ۱۱: جب تک عقائد صحیح نہ ہوں احکام شریعت سے آگاہی فائدہ مند نہیں۔ جب تک یہ دونوں نہ ہوں تب تک قلب کی صفائی ممکن نہیں ہے۔ ہمارا اللہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک اور دین ایک۔ مگر ہمارے علمائے کرام نے متعدد فرقے بنائے ہوئے ہیں مثلاً بریلوی، دیوبندی وغیرہ۔ ہر عالم ہم ان پڑھوں کو و اعتصمو بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا

(قرآن ۳:۱۰۴) کی ترغیب وتبلیغ بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ فرقے بھی خود عالموں نے بنائے ہیں۔کیا اس آیات کا ان علماء پر اطلاق نہیں ہوتا؟ میرا ایک دوست ان فرقوں سے تنگ آ کر طنزیہ کہا کرتا ہے کہ میں عیسائی بننا چاہتا ہوں کیونکہ عیسائیت میں کوئی فرقہ نہیں آپ یہ فرمائیں کہ فرقہ پرستی کا یہ مرض علمائے کرام کے اندر کیوں پھیل رہا ہے؟

جواب: سوال کے دوسرے جز کا میں پہلے جواب دوں گا کہ عیسائیت میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ میں نے جرمن زبان میں لکھی گئی ایک کتاب دیکھی ہے جس میں بارہ سو عیسائی فرقوں کا ذکر ہے۔ظاہر ہے کہ ہمارے یہ دوست عیسائی بن کر مایوس ہی ہوں گے کہ اسلام ہی بہتر تھا کہ وہاں شاید صرف بارہ ہی فرقے ہیں' ویسے فرقہ بندی کا حل میرے نزدیک ایک ہی ہے کہ آپ دوسروں پر نہ جائیں اور اپنے پر توجہ دیں۔آپ خود فرقہ پرستی کے مرض میں مبتلا نہ ہوں' اپنے آپ کو صد فی صد درست اور دوسروں کو بالکل غلط نہ کہیں۔دوسروں کو ان کے خدا کے سپرد کیجئے' وہ اپنے اعمال اور عقائد کے بارے میں براہ راست خود جواب دے لیں گے۔ فرقہ بندی اسی طرح ختم ہوسکتی ہے۔جن لوگوں کو لکھنا پڑھنا آتا ہے ان کے لئے اپنے فرائض معلوم کرنے کے لئے آج بہت آسانی سے وسائل مہیا ہو جاتے ہیں ۔اسلام کی بنیادی چیزوں کے متعلق بے شمار کتابیں ہیں۔قرآن مجید کے تراجم موجود ہیں۔حدیثوں کے مجموعے موجود ہیں۔میرے خیال میں یہ کام اب تو بہت آسانی سے ہوسکتا ہے کہ ہم فرقہ بندی میں مبتلا نہ ہوں اور آپس کی لڑائی سے محفوظ رہیں۔

سوال نمبر۱۲: کیا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی انسان کی نجات کلمہ طیبہ پڑھے بغیر ممکن ہے؟ اگر کوئی شخص لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کے ساتھ پیش آنے والا ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی (۴: ۱۵۰) ایک آیت ہے، جس میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور رسول میں تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایک پر ایمان لاتے ہیں، دوسرے پر نہیں لاتے تو وہ مسلمان نہیں کافر ہیں۔ ان حالات میں ہم آپ کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ جو شخص صرف اخلاق حسنہ پر عامل ہے اس کی نجات ہو جائے۔ اس کے برخلاف، اللہ کا، جو نجات عطا کرنے والا ہے، حکم ہے کہ تم میرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لاؤ۔ اس حکم کی تعمیل ضروری ہے ایک آدھ استثناء کی صورت موجود ہے۔ مثلاً کسی شخص کو نبی کی بعثت کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ اس کا امکان آج بھی ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع قطب شمالی وجنوبی کے لوگوں تک ہمارے مبلغین کی کوشش کے باوجود نہیں پہنچی۔ ایسے لوگوں کی حد تک یہ کہنا کہ ان پر اسلام لانا واجب ہے یا نہیں؟ یہ سوال حل طلب ہو جاتا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اگر وہ ایسی باتوں پر یقین رکھتا ہے جنھیں عقل بھی تسلیم کرتی ہے مثلاً اللہ کا ایک ماننا وغیرہ تو شاید خدا جو رحیم وکریم اور غفار ہے ایسے لوگوں کو معاف کر دے اور انھیں دوزخ میں نہ بھیجے لیکن جن لوگوں تک اسلام کی تعلیم پہنچ چکی ہے اور وہ ضد یا کسی اور وجہ سے اسے قبول نہیں کرنا چاہتے تو محض اخلاق حسنہ کے باعث، خدا ہی کے فرمان کے مطابق، ان کی نجات ناممکن ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ ہمیں خدا پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر بخش دے گا تو اس سے ہمیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

سوال نمبر ۱۳: نماز پڑھتے وقت سر پر کپڑا لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نماز سر ڈھانپے بغیر پڑھی جائے، جب کہ کپڑا موجود ہو تو کیا حکم ہے؟ دلیل دیں۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں، عورتوں کے متعلق اور دوسرا مردوں کے متعلق ہے۔ عورتوں کے لئے صراحت سے حکم ملتا ہے کہ وہ اپنے سر کو ڈھانپیں اور بالوں کو بھی چھپائیں

لہٰذا ان کی حد تک ننگے سر نماز پڑھنا عام حالات میں مناسب نہیں ہو گا۔ بجز اس کے کہ کوئی خاص حالت پیش آئے، مثلاً عورت کے پاس کپڑے نہیں اور وہ تنہا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے خدا اسے معاف کرے گا۔ مرد کے متعلق سر ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔ میں ضروری نہیں کا لفظ استعمال کر رہا ہوں۔ ٹوپی پگڑی پہنے تو بہت اچھا ہے، نہ پہنے تو کسی کو کافر کہنے کا حق نہیں۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ میں آیا ہے۔ ایک صحابی تھے حضرت جابر۔ ان کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت بعد، خلافت کے زمانے میں ایک دن ان کو کچھ لوگوں نے بہت ادب سے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہی نماز پڑھایئے ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً اس سے کچھ پہلے آپ کے سوال ہی کی قسم کی گفتگو ہوئی تھی۔ بہر حال ان صحابی نے نماز پڑھانا قبول کیا۔ نماز سے قبل انھوں نے سجادہ کی طرف جاتے ہوئے پہلے عمامہ اتارا پھر جبہ اتار پھینکا اور پھر قمیض اتار دی۔ صرف تہمد (لنگی) کے ساتھ آگے آئے اور آگے بڑھ کر نماز شروع کی۔ لوگ حیران ہوئے۔ اس پر انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ بخاری میں ان الفاظ میں آیا ہے، کہ "تم جیسے جاہلوں کو بتانے کے لئے میں نے عمداً ایسا کیا ہے۔ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں تمھارے خیال میں ہمارے پاس دو دو کپڑے ہوتے تھے؟ اس وقت ہم ننگے سر ہی نماز پڑھتے تھے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کا ڈھانپنا بے شک اچھا ہے، ادب کا تقاضا ہے، اور اس آیت شریف (۷:۳۱) کے مطابق ہے کہ جب نماز کے لیے جاؤ تو زینت کے ساتھ جاؤ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ واجب ہے۔ اگر بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھنا چاہیں تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ اصل چیز دل کا خشوع و خضوع، نہ کہ ظاہری ہیئت۔

سوال نمبر ۱۴: آپ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے لیے پہلے والی مسجد کی توسیع ہوئی۔ پھر آپ نے

فرمایا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت تعین قبلہ کا مسئلہ پیدا ہوا۔ جب مسجد موجود تھی تو قبلہ کا تعین بھی پہلے سے موجود ہونا چاہیے؟

جواب: قبلہ کا تعین پہلے سے موجود ہوگا اور مدینے والوں نے بھی قبلہ (بیت المقدس) کی جہت اسی طریقے سے معین کی ہوگی جس طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ پرانی مسجد کا رخ سو فی صد اتنا ہی درست تھا جس قدر آج کل کی مسجد کا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ آج کل مسجد جو عہد نبوی کے قبلہ دوم یعنی کعبۃ اللہ کی سمت میں بنائی گئی ہے وہ اتنا صحیح ہے کہ قطب نما اور جدید ترین آلات کے ذریعہ سے بنائے جانے والے رخ سے بھی زیادہ صحیح ہے یہ بات میں مذاق کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ امر واقعہ ہے۔ پہلی جنگ عظیم سے کچھ پہلے ترکوں نے مجاز ریلوے کے نام سے ایک ریل بنائی جو شام اور اردن سے گزرتی ہوئی مدینے تک آ چکی تھی۔ مدینہ کا سٹیشن اب تک موجود ہے۔ اس کے سامنے ایک مسجد بھی ہے جو ریلوے کے نمازیوں کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس مسجد کے رخ کا تعین جرمن انجینئر نے کیا تھا۔ اس کے اندر آپ جا کر دیکھئے' چونکہ قبلہ کا رخ غلط ہے اس لیے جائے نمازوں کو ترچھا کر کے بچھایا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۵: کیا اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لئے اسلامی تعلیمات کا عام ہونا لازمی ہے

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں دو جواب نہیں ہو سکتے ایک ہی جواب ہوگا کہ اسلامی تعلیمات کے بغیر کوئی معاشرہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

گوجرانوالہ کے بھائیوں کا دورہ ملتان اور شجاع آباد

(ماجد محمود توحیدی)

بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد قرآنی تعلیمات کے عین مطابق توحید اور محبت پر رکھی ہے۔ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور supermacy پر کوئی compromise نہیں ہے۔ ہمارا برا بھلا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور ہماری تقدیر کو بنانے اور بگاڑنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ بانی سلسلہؒ نے بیعت نامہ میں یہ تحریر فرمادیا ''میں اللہ کے سوا کسی سے ذرہ برابر کوئی توقع رکھوں گا'' جس کا ہر توحیدی بھائی بیعت ہوتے وقت اللہ سے عہد کرتا ہے۔

دوسری چیز عالمگیر محبت ہے جو سلسلہ توحیدیہ کی شناخت ہے۔ اللہ کی تمام مخلوقات سے حد درجہ محبت۔ بانی سلسلہ ارشاد فرماتے ہیں ''مجنوں تو لیلیٰ کے کتے سے بھی محبت کرتا تھا تم کیسے اللہ کے عاشق ہو اس کی مخلوق سے محبت نہیں کرتے۔

میل ملاقات محبت کو اور پروان چڑھاتے اور تازہ کرتے ہیں۔ عید الاضحیٰ کے دوسرے دن مرکز تعمیر ملت پر بانی سلسلہؒ اور ڈار صاحبؒ کے ایصال ثواب کے لیے پروگرام ہوا جس میں ملتان کے بھائیوں شہزاد محمود بخاری، فہد محمود بخاری، سعید احمد اور محمد اسامہ نے شرکت کی۔ مرکز سے واپسی پر ملتان کے برادران نے گوجرانوالہ کے بھائیوں کو ملتان آنے کی دعوت دی کہ آموں کا موسم ہے آپ ملتان آئیں، آپ کی پھلوں کے بادشاہ سے تواضع کریں گے۔ گوجرانوالہ کے بھائیوں نے شکریہ کے ساتھ یہ دعوت قبول کرلی۔

بھائی جان محمد ریاض، بھائی جان شفیق احمد، بھائی جان احمد رضا خان، بھائی جان

محمد اقبال اور ماجد محمود نے بابا جان محمد یعقوب توحیدی سے ملتان جانے کے لیے باقاعدہ اجازت لی۔ چنانچہ 14 جولائی بروز جمعۃ المبارک ملتان جانے کا فیصلہ ہوا۔

طے ہوا کہ تمام بھائی، بھائی جان محمد ریاض کے گھر جمعہ کے روز صبح 3:30 تک پہنچ جائیں وہاں نماز فجر ادا کرنے کے بعد سفر شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ سب بھائی مقررہ وقت پر بھائی جان محمد ریاض کے گھر پہنچ گئے اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد تقریباً 4:15 پر یہ مختصر قافلہ بھائی جان محمد ریاض کی قیادت میں سفر کی دعا پڑھتے ہوئے عازم ملتان ہوا۔ بھائی جان شہزاد محمود بخاری کو بذریعہ میسج روانگی کی اطلاع دے دی گئی۔ تقریباً نصف سفر ہوا تو موٹروے پر ہوٹل آیا جہاں سے چائے پی گئی اور تھوڑا آرام کرنے کے بعد سفر دوبارہ شروع کیا گیا۔ ملتان قریب ہوا تو کھجور اور آموں کے قد آور درخت دل کو بھانے لگے۔ میزبان بھائی ہم سے مسلسل رابطہ میں تھے اور وہ ہمارے استقبال کے لیے ملتان سے باہر مین سڑک پر پہنچ چکے تھے ہم تقریباً 9:30 پر وہاں پہنچ گئے اور ملتان کے بھائیوں کی رہنمائی میں میزبان بھائی جناب فہد محمود بخاری کے گھر پہنچے جہاں ملتان کے بزرگ بھائی جناب خالد محمود بخاری (مجاز) سمیت چند بھائی دل ونگاہ فرش راہ کیے ہوئے گوجرانوالہ کے بھائیوں کے منتظر تھے۔ تمام بھائی ایک دوسرے سے گلے ملے، حال احوال کا تبادلہ ہوا۔ رسمی گفتگو کا سلسلہ چل رہا تھا کہ میزبان بھائی کی طرف سے کہا گیا کہ ناشتہ تیار ہے آپ لوگ ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔

پر تکلف ناشتہ میں بھائیوں کے لیے آم بھی رکھے گئے تھے۔ ناشتہ کرنے کے بعد مہمان بھائی اپنے مخصوص کردہ کمرہ میں آ گئے جس میں A.C. چلا دیا گیا تھا تاکہ مہمان گرمی کی شدت سے بچ سکیں۔ میزبان اور مہمان بھائیوں میں دوبارہ گفتگو کا سلسلہ چلا جس کے دوران ہی بھائی جان محمد ریاض اور شہزاد محمود بخاری نے آج کا شیڈول طے کرلیا میزبان

بھائیوں نے مہمانوں کو آرام کرنے کا کہا تو گوجرانوالہ کے بھائیوں نے جواب دیا ہم آرام کرنے نہیں بلکہ بھائیوں کے پاس بیٹھنے اور آپس میں پیار و محبت کا تبادلہ کرنے آئے ہیں۔ رسمی گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد بھائی جان فہد محمود بخاری کی سربراہی میں قلعہ پر ملتان کے دو مشہور بزرگ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور رکن الدین عالمؒ کے مزار پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ رستے میں بھائی جان فہد محمود بخاری کا دفتر تھا وہاں تھوڑی دیر کے لیے رکے اور چائے پی۔

قلعے پر پہنچ کر گاڑی پارک کی اور پہلے بہاؤالدین زکریا اور پھر رکن الدین عالم کی قبر پر فاتحہ پڑھی (یاد رہے یہ دونوں مزار قلعے پر تقریباً ساتھ ساتھ ہیں)۔ مزار پر عقیدت مندوں کا کافی ہجوم تھا۔ وہاں لوگوں کا ہجوم اور ان کی عجیب و غریب حرکات دیکھ کر سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کی اہمیت کا احساس اجاگر ہوا اور دل اللہ کے شکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا جس نے ہمیں صحیح اسلامی عقائد و نظریات پر مبنی تعلیم عطا کی جس میں تمام تر عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور اللہ کی ذات ہے جو اصل مقصود ہے۔ باقی تمام محبتیں اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ لاعلمی اور جہالت اور روائتی صوفیا کے باور نہ کرانے کی وجہ سے عوام نے اپنی عقیدتوں کا مرکز انہی بزرگوں کی ذات کو بنا لیا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں انسان اور اللہ کا تعلق مضبوط کرنے میں گزاریں۔ ان بزرگوں کی قبور پر حاضری دے کر نکلے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ قلعے سے میزبان بھائی ہمیں دریائے چناب کے کنارے ''چناب رُت'' ہوٹل لے گئے۔ ایک کھلا ہال جسے .A.C نے ٹھنڈا کر رکھا تھا میں بھائی جان حمزہ اسد نے تمام بھائیوں کو پر تکلف اور لذیذ ظہرانہ دیا۔ کھانے کے بعد ہوٹل سے ملحقہ مسجد میں نماز عصر ادا کی گئی اور ہم گھر واپس آ گئے۔

ہم گھر پہنچے تو حلقہ ذکر کے لیے بھائیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ مہمان بھائی نہا کر تازہ دم ہو گئے۔ حلقہ ذکر کے لیے کھلی چھت پر اہتمام کیا گیا تھا۔ پانی چھڑ کنے اور ائر کولر، پنکھوں سے ماحول بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ نماز مغرب ادا کی گئی اور حلقہ ذکر شروع ہوا۔ حلقہ ذکر کے بعد حافظ عبدالکریم اور ماجد محمود نے بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا اس کے بعد بھائی جان پروفیسر ڈاکٹر احمد رضا خان نے سلسلہ کی تعلیمات کا احاطہ کرتے ہوئے اللہ کے ذکر کی اہمیت اور تزکیہ اخلاق پر مختصر مگر جامع گفتگو کی۔ انہوں نے قرآنی آیات اور احادیث مبارک کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ کے ذکر کی اہمیت اجاگر کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی یاد مسلمانوں کے لیے اور خاص کر توحیدی بھائیوں کے لیے تو زندگی اور اللہ کی یاد سے غفلت موت ہے۔ اور اخلاق کی تکمیل تو نبی مکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے۔

حلقہ ذکر میں ملتان کے تقریباً چالیس سے زیادہ توحیدی بھائیوں نے شرکت کی۔ کھانے کے بعد لوکل بھائیوں نے میزبان بھائیوں سے اجازت لی اور مہمان بھائی آرام کے لیے اپنے کمرے میں آ گئے۔ سونے سے پہلے بھائی جان شہزاد محمود بخاری مہمانوں کے لیے ٹھنڈا اور میٹھا دودھ لے کر آ گئے اور سب کو پلایا تا کہ میزبانی میں اور خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

گرمیوں کا موسم اور آم کا سیزن ہو، مہمان ملتان آئیں اور اپنے گھر والوں اور دوست احباب کے لیے پھلوں کا بادشاہ نہ لے کر جائیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں نے ملتان کے باغ و بہار شخصیت کے مالک بھائی جان سعید احمد سے طے کر لیا کہ وہ صبح ہمیں آموں کی منڈی میں لے کر جائیں تا کہ وہ آم خرید سکیں۔ صبح وعدہ کے مطابق سعید بھائی 6 بجے آ گئے اور ہم آموں کی مارکیٹ میں پہنچ گئے۔ سب مہمانوں نے حسب ضرورت اپنے

اپنے لیے آم خریدے۔ آموں کو بلٹی کرانے کی ذمہ داری ملتان کے خادم حلقہ بھائی جان شہزاد محمود بخاری نے لی۔ آموں کی خریداری اور پیکنگ میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو گئے۔

گھر پہنچے تو ایک بار پھر پر تکلف ناشتہ ہمارا منتظر تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر بھائی جان ریاض صاحب اور شہزاد بھائی نے آج کا پروگرام اور شیڈول مرتب کر لیا۔ طے پایا کہ تھوڑی دیر تک سب بھائی قریبی ٹیوب ویل پر جائیں گے جہاں نہائیں گے اور آموں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کے بعد مہمان ملتان کے بھائیوں سے رخصت لیں گے اور دوپہر کو شجاع آباد کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور شجاع آباد سے ہی شام کو گوجرانوالہ کے لیے واپسی کا سفر اختیار کریں گے۔

پروگرام کے مطابق سب تیار ہو کر دو گاڑیوں میں اور کچھ بھائی اپنے موٹر سائیکلوں پر مقررہ جگہ پہنچ گئے جہاں سب بھائی ٹیوب ویل کے ٹھنڈے، صاف پانی میں نہائے اور ساتھ ساتھ آموں کی ضیافت سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ ٹیوب ویل پر رہنے کے بعد گھر واپس آ گئے۔ مہمان بھائیوں نے لباس بدلے اور میزبان بھائیوں اور تمام اہل ملتان کی محبتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے رخصت لی اور شجاع آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہم تین بجے کے لگ بھگ شجاع آباد پہنچ گئے جہاں پر بھائی جان عبداللہ شاہ نے ہمارا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک بھائی جان عابد کبیر شاہ، بھائی جان غلام محمد شاہ (خادم حلقہ لسوڑی) اور شجاع آباد کے خادم حلقہ محمد بلال شاہ بھی تشریف لے آئے۔ یہاں مہمانوں کو دوپہر کا کھانا کھلایا گیا۔ کھانے کے بعد بھائیوں میں رسمی گفتگو کے بعد سلسلہ کی ترویج کے حوالے سے تبادلہ خیال ہوا۔ جس میں بھائیوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہم میں سے ہر بھائی ذمہ دار ہے اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ

بانی سلسلہ کا مشن جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچ سکےاور ہمارا معاشرہ امت مسلمہ میں کلیدی کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔تحریکی اور فکر انگیز گفتگو کا سلسلہ شام 5 بجے تک چلتا رہا۔اس کے بعد مہمان بھائیوں نے میزبان بھائیوں سے اجازت طلب کی۔فکر و عمل کا ایک نیا جذبہ لیے گوجرانوالہ کے بھائی واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔

رستے میں موٹروے پر بھائیوں نے رات کا کھانا کھایا اور تقریباً رات 12:30 گوجرانوالہ پہنچ گئے۔اس طرح محبتوں بھرا دورہ ملتان اور شجاع آباد اپنے اختتام کو پہنچا۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
زرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے
محبت سے ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

پلٹو اللہ کی طرف

اس کے لئے امت مسلمہ کو حزب اللہ کے سالار اعظم حضور سرکار مدینہ ﷺ کے پیچھے پھر سے صف بندی کر کے عہد وفا باندھنا ہوگا تا کہ اللہ ہمارا ہو جائے۔ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پلٹنے کے لئے سب سے پہلا قدم ہمارا یہ ہونا چاہیے کہ مذہبی فرقہ بندیوں اور سیاسی گروہ بندیوں سے توبہ کر کے مسلم اور صرف مسلم بن جائیں۔ (اقتباس از مقصود حیات)

صحت مند زندگی گزارنے کے چند بنیادی اصول

(عرفان الحق)

1 کم کھائیں تاکہ جسم کی توانائی معدے کے علاوہ دوسرے افعال کی انجام دہی میں صرف ہو سکے۔

2 بھرے ہوئے پیٹ نہ رہیں یہ (i) سستی، (ii) نیند، (iii) خیالات میں انتشار، (iv) جنسی جذبات کی زیادتی کا باعث ہے۔

3 ایک دن میں ایک طرح کی غذا استعمال کریں مختلف چیزوں کو اکٹھا نہ کریں۔

4 اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کردہ تمام اشیاء کا مناسب مقدار میں استعمال کریں ایک ہی غذا کا متواتر استعمال یا کسی غذا کو ترک کر دینا مناسب نہیں ہے اللہ نے جو چیزیں حلال کی ہیں وہ ہرگز تکلیف کا باعث نہیں مقدار کو کنٹرل کرنا چاہیے۔

5 ناشتہ ضرور کریں ناشتہ غذائیت سے بھرپور ہونا چاہیے مگر ثقیل نہیں ہونا چاہیے انڈے، شہد اور مکھن کا استعمال مفید ہے

6 رات کا کھانا ضرور کھائیں مگر ہلکا ہونا چاہیے۔

7 رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کریں پیدل چلنے کی عادت اپنائیں

8 بھنی ہوئی تلی ہوئی اور مصالحہ جات سے بھرپور اشیاء کا استعمال کم کریں سادہ غذا کھائیں تلی ہوئی چیزیں جگر پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یوں جسم کے نظام میں بگاڑ کا باعث بنتی ہیں۔

9 باربی کیو کھائیں لیکن خیال رہے کہ باربی کیو بناتے ہوئے آگ کا شعلہ گوشت کو

نہ لگے تا کہ گوشت جل کر کاربن میں تبدیل نہ ہو۔ جلا ہوا گوشت Hepatitis اور Cancer جیسے مہلک امراض کا باعث ہے کم از کم 9 انچ کے فاصلے سے باربی کیو تیار کریں

10 کینسر سے بچنے کے لیے سب سے پہلے غم اور Stress پر قابو پائیں نیز اپنی خوراک میں جو شامل کریں معدے کا السر بہت زیادہ سوچنے سے ہوتا ہے اس میں بھی جو کا استعمال کریں

11 بیماریوں کے جسم میں داخلے کے دوراستے ہیں ۔

i دانت، دانت ہمیشہ صاف رکھیں

ii معدہ، کھانے پینے کی عادات کو ٹھیک رکھیں تا کہ معدہ ٹھیک رہے۔

12 بلڈ پریشر اور بخار بیماریاں نہیں بیماریوں کی علامات ہیں بلڈ پریشر کام کی زیادتی ، زیادہ سوچنے اور خوراک کے غیر متوازن ہونے کے خلاف جسمانی نظام کا احتجاج agitation ہے

13 ہر روز کوئی نہ کوئی اچھا کام کریں

14 بندش / رکاوٹ نام کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی اللہ سب سے زیادہ طاقتور ہے اور وہی رزق، اولاد، اقتدار اور عزت دینے والا ہے کوئی جادوگر اللہ سے زیادہ طاقت نہیں رکھتا جادو جود رکھتا ہے مگر اس کی ایک حد ہے یہ زیادہ سے زیادہ میاں بیوی میں اختلافات کا باعث بن سکتا ہے یا خوف پیدا کر سکتا ہے اصل میں جادو استدراج ہے یعنی جو نہیں ہوتا وہ آپ کو دکھایا جاتا ہے۔

15 اپنے ذہن سے دوسروں کے لیے بدگمانی نکال دیں جادو کے اثرات آپ پر نہیں ہونگے۔

16 جنات وجود رکھتے ہیں مگر ان کی حدود ہیں اور وہ انہی کے اندر کام کرتے ہیں

ہماری زندگی میں جنات کا تعلق بہت محدود اور قلیل ہے

انتہائی اہم (Most Important)

علاج کا مغز دعا ہے یقین محکم کے ساتھ اللہ سے اپنے لیے دعا کرتے رہیں تمام جسمانی ، روحانی اور نفسیاتی مسائل دعاؤں سے حل ہو سکتے ہیں

سر درد

ذکر:

تعداد	ذکر
100	یا سلام، یا مومن، یا اللہ
100	یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم
100	لاحول ولاقوۃ الا باللہ
40	لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

علاج

1 اگر بے آرامی کی وجہ سے ہے تو
ایک کپ چائے کے چمچ روغن کدو پلا دیں یا سر مل لیں
سونف تھوڑے سے کھلا دیں

2 اگر تھکن ہے تو زیتون کا تیل ایک چائے کا چمچ رات کو سونے سے پہلے پئیں

3 اگر بلڈ پریشر میں کمی کی وجہ سے ہے تو ایک کیلا روزانہ کھائیں

4 اگر بلڈ پریشر میں زیادتی کی وجہ سے ہے تو
پودینہ اور انار دانہ ہم وزن میں تھوڑا سا اورک ملا کر بغیر نمک مرچ کے چٹنی بنائیں

اور دن میں دو بار کھانے کے ساتھ ایک کھانے کا چمچ لیں۔

جو کا دلیہ پانی میں پکا کر اس میں حسب ضرورت دودھ اور شہد ملا کر ناشتہ میں لیں

آدھے سر کا درد / درد شقیقہ۔

ذکر	تعداد
100	یا سلام، یا مومن، یا اللہ
100	یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم
100	لاحول ولا قوۃ الا باللہ
40	لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

علاج

1 تلی ہوئی چیزیں نہ کھائیں

2 روزانہ تین انجیر نہار منہ کھائیں

وقت سے پہلے بال سفید ہونا

300بار لاحولاو لاقوۃ الاباللہ کا ذکر کریں یا جتنا کر سکتے ہیں۔

> پورے تیس سال کی جدوجہد اور کدو کاوش کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک کے ہوں مومن نہیں ہیں صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے، نوے فیصد مسلمان تو قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں اس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اسلام سمجھ رہے ہیں۔
>
> فرمان بانی سلسلہؒ

اقبالؒ سے ایک انٹرویو

اخلاقیات

(محمد رفیق چوہدری)

س: ہے جن کا شیوہ حق گوئی وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں

ج: آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

س: کون سے ہیں لوگ دنیا میں بھلے؟

ج: ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

س: کیا ہے غیرت چیز' کیا اس کا مقام؟

ج: غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

س: قناعت اور استغنا کی خوبی سے ہے کیا حاصل؟

ج: نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

س: حضرتِ اقبال! صحبت کا اثر ہوتا ہے کیا؟

ج: صحبتِ اہلِ صفا' نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو!

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کرگئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

س: اور بھی اخلاق کی تعلیم دیں؟

ج: دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں ' طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

تیری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا ' نہ شکایتِ زمانہ

بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر ' دل صورتِ مینا دے

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ فقرِ بوذرؓ صدقِ سلمانیؓ

مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہیدِ ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندۂ مومن ہوں، نہیں دانہ اسپند

مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

ایک بھی پتی اگر کم ہو تو وہ گل ہی نہیں
جو خزاں نادیدہ ہو بلبل، وہ بلبل ہی نہیں

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

استخارہ،مشورہ،میانہ روی

(محمد یوسف اصلاحی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوتا مشورہ لینے والا پشیمان نہیں ہوتا اور میانہ روی اختیار کرنے والا فقر اور غریبی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اس مختصر سی حدیث میں نبی ﷺ نے ناکامی، پشیمانی اور ناداری جیسی لرزا دینے والی آفتوں سے بچنے کے لیے تین کاموں کا اہتمام کرنے کی نہایت مؤثر تاکید فرمائی ہے۔

1- استخارہ

2- مشورہ

3- میانہ روی

استخارہ:

استخارہ کے لغوی معنی ہیں خیر چاہنا اصطلاح میں استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا سے خیر اور بھلائی چاہنے کے لیے وہ عمل کرے جس کی نبی ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے۔

بعض اوقات آدمی کسی کام کو چھوڑنے یا نہ کرنے میں متردد ہوتا ہے اور اس کو شرح صدر نہیں ہوتا کہ وہ کیا رویہ اختیار کرے خیر اور بھلائی اس کام کو اختیار کرنے میں ہے یا چھوڑ دینے میں ایسے تمام اہم امور میں نبی ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ استخارہ کیا جائے استخارہ دراصل خدا تعالیٰ سے مشورہ طلب کرنا ہے آدمی خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ پروردگار میں اپنی

کم علمی اور کوتاہ نظری کے باعث سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ پیش آمدہ معاملے میں میرے لیے خیر کا پہلو کونسا ہے۔ پروردگار! تو خوب جانتا ہے کہ میرے لیے خیر اور بھلائی کس پہلو میں ہے پرورگار میرے قلب کو اسی طرف مائل فرمادے جس میں خیر اور بھلائی ہو۔

نکاح اور شادی کا مسئلہ ہو یا کاروبار کا ملازمت چھوڑنے یا اختیار کرنے کی بات ہو یا ملازم نہ رکھنے کا معاملہ ہو یا کسی سفر پر جانے کی بات ہو غرض جو معاملہ بھی درپیش ہو اگر آدمی کو اس میں تردد ہو اور اس پر خیر کا پہلو واضح نہ ہو تو وہ استخارہ کرے اور پھر جس طرف اس کے قلب کا میلان ہو اس کو قضاء الٰہی سمجھ کر اطمینان کے ساتھ اختیار کر لے حضرت ابو ایوب انصاری سے منقول ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے شادی کے لیے استخارہ کا حکم دیا تھا حضرت شیخ الاسلام علامہ بن تیمیہ فرمایا کرتے تھے وہ شخص کبھی پشیمان اور شرمندہ نہیں ہوتا جو ہر معاملے میں خالق سے استخارہ کر لیتا ہے اور انسانوں سے مشورہ لے لیتا ہے اور پھر اپنے فیصلے پر جم جاتا ہے۔

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا سے استخارہ کرنا اولاد آدم کی سعادت ہے اور قضاء الٰہی پر راضی ہو جانا بھی اولاد آدم کی خوش نصیبی ہے اور اولاد آدم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ خدا سے استخارہ نہ کرے اور خدا کے فیصلے پر ناخوش ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح استخارہ کرنے کی تعلیم بھی دیتے تھے آپ ﷺ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی اہم معاملے میں متردد ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کی دعا پڑھے۔

مشورہ:

قرآن پاک میں مومنین کی ایک لازمی صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ آپس میں مشورے سے کام کرتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اجتماعی معاملات میں مشورہ کرنا تو ناگزیر ہے ہی انفرادی معاملات میں بھی دوسروں سے مشورہ کرنا پسندیدہ ہے اور نبی ﷺ نے نہایت تاکیدی انداز میں اس کی ترغیب دی ہے کون نہیں چاہتا کہ وہ ندامت نہ اُٹھائے اور کسی معاملے میں اسے پشیمانی نہ ہو اس کی کامیاب تدبیر نبی ﷺ نے یہ بتائی کہ ہر کام میں مشورہ کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

جن لوگوں نے حق بات کی جستجو میں آپس کے مشورے سے کام لیا ان کو صحیح راستے کی جانب رہنمائی ضرور حاصل ہوئی۔

دراصل آپس کے مشورے سے معاملے کے بہت سے ایسے پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں جن تک بعض اوقات اپنی نگاہ نہیں پہنچ پاتی اور آدمی بہت سی رایوں اور ذہنوں کی مدد سے شرح صدر کے ساتھ کسی رویے کو اختیار کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

مشورہ لیتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ مشورہ صرف ان لوگوں سے لیا جائے جن کی بصیرت نیکی اور خیر خواہی پر اعتماد ہو دوسرے یہ کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس کے سامنے سارے حالات رکھ دیے جائیں کوئی بات چھپائی نہ جائے۔

میانہ روی:

اعتدال اور میانہ روی کی تاکید اور تلقین کے معاملے میں اسلام تمام مذاہب سے ممتاز ہے وہ ہر عمل میں میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے یہاں تک کہ عبادت میں بھی اعتدال اور

میانہ روی کی تاکید کرتا ہے البتہ اوپر کی حدیث میں خاص طور پر خرچ میں میانہ روی کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

کفایت شعار اور فضول خرچی سے پرہیز کرنے والا کبھی تنگ دستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا وہ اپنے حالات اور اپنی آمدنی کے مطابق نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا نہ نمود و نمائش میں رقم ضائع کرے گا نہ عیش و عشرت میں اپنی دولت اڑا لے گا اور نہ فضول خرچی میں اپنی دولت اٹھائے گا بلکہ جو کچھ خرچ کرے گا سوچ سمجھ کر خرچ کرے گا۔

قرآن پاک میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے اور مومنوں کی ایک لازمی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ درمیانی روش اختیار کرتے ہیں نہ وہ بخل کرتے ہیں نہ اسراف میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ درمیانی روش اختیار کرتے ہیں۔

اور یہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی روش اختیار کرتے ہیں ایک اور موقع پر قرآن نے مومن کو ہدایت دی ہے کہ

نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا خوش حالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی اچھی چیز ہے عبادت میں درمیانی انداز کیا ہی بہتر ہے۔

علامہ اقبالؒ کا دورہ افغانستان

(جاوید اقبال)

افغانستان کے نادر شاہ سے اقبال کے دیرینہ تعلقات تھے۔اقبال نادر شاہ کو اس زمانے سے جانتے تھے جب وہ جرنیل محمد نادر خان کی حیثیت سے پیرس میں افغانستان کے سفیر تھے۔نادر شاہ بقول اقبال نصف پنجابی تھے کیونکہ ان کی والدہ کی جائے ولادت لاہور تھی اور وہ لاہور ہی میں رہائش پذیر رہیں۔

نادر شاہ خود بھی ڈیرہ دون کے پڑھے ہوئے تھے اور اردو بڑی اچھی بولتے تھے بلکہ اقبال کے ساتھ اردو ہی میں بات چیت کرتے تھے۔اقبال کی ملاقات نادر شاہ سے کب ہوئی؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔البتہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۹ء میں ایک دوسرے سے لاہور ریلوے اسٹیشن پر ملے جب نادر شاہ افغانستان جاتے ہوئے یہاں رُکے تھے۔نادر شاہ کا قد زیادہ لمبا نہ تھا اور ویسے بھی وہ دبلے پتلے سے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نادر شاہ نے اقبال کو دیکھ کر کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ ایک لمبی چوڑی داڑھی والے بزرگ ہوں گے اس پر اقبال نے جواب دیا کہ میرا خیال بھی یہ تھا کہ آپ کوئی قوی ہیکل قسم کے پہلوان ہوں گے مگر نہ تو شاعر اسلام نادر شاہ کی توقع کے مطابق نکلا اور نہ ہی غازی اسلام کی صورت اس ذہنی تصور سے مطابقت رکھتی تھی جو اقبال نے بنا رکھی تھی۔

اس کے بعد ایک روایت تو یہ ہے کہ اقبال نادر شاہ کو ایک طرف لے گئے اور انہیں بتایا کہ میں نے زندگی بھر میں دس ہزار کی ایک پونجی جمع کر رکھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی مہم کے لئے اسے چندہ کے طور پر قبول فرمالیں۔نادر شاہ کو اگرچہ روپے کی ضرورت تھی مگر

انہوں نے اقبال کی پونجی لینے سے معذرت کردی۔ جب اقبال نے اصرار کیا تو یہ طے پایا کہ اقبال یہ روپیہ اپنے پاس رکھیں اور نادرشاہ کو جب اشد ضرورت پڑے گی، وہ منگوالیں گے۔ نادرشاہ کو اس روپے کی ضرورت نہ پڑی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ گاڑی کی روانگی سے قبل اقبال نے نادرشاہ کو علیحدگی میں لے جا کر کہا: تم ایک بڑی مہم سر کرنے جارہے ہو۔ میں ایک فقیر آدمی ہوں صرف دعاؤں ہی سے تمہاری خدمت کرسکتا ہوں۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس پانچ ہزار روپے موجود ہیں اگر یہ حقیری رقم تمہارے کسی کام آسکے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس پر نادرشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انہوں نے فقیر کی اس دین کو نیک شگون سمجھتے ہوئے بڑے احترام سے قبول کرلیا۔

خدا جانے یہ روایتیں کہاں تک درست ہیں۔ نادرشاہ نے افغانستان کی تباہ حالی کے متعلق ہندوستانیوں سے ہر قسم کی امداد و اعانت کی اپیل کر رکھی تھی۔ اور راقم کی معلومات کے مطابق تو اقبال نے انہیں اپنی جیب سے پانچ سو روپے کی رقم پیش کی تھی جو انہوں نے اس وقت لوٹا دی۔ بعد میں اقبال نے کئی طریقوں سے ان کی امداد جاری رکھی۔ نادرخان نے ہلال احمر فنڈ کھولا، اور مالی امداد فراہم کرنے کے لئے سرمایہ اکٹھا کرنے کی غرض سے جلسے بھی منعقد کئے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ اقبال کے نزدیک افغانستان کی سالمیت اور آزادی مسلمانانِ ہند اور وسطی ایشیا کی بقا کے لئے اشد ضروری تھی۔

ستمبر ۱۹۳۳ء میں نادرشاہ نے تعلیمی امور کے بارے مشورے کے لئے اقبال، سید راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ تعلیمی مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں ہندوستان سے ان تین شخصیتوں کا انتخاب نہایت موزوں تھا، کیونکہ ان میں ایک تو مفکر تھا، دوسرا منتظم امور تعلیمی اور تیسرا عالم۔ افغان قونصل جنرل کی خواہش تھی کہ وہ تینوں

۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جشن استقلال کے موقع پر کابل پہنچیں۔ مگر اسقدر جلد پاسپورٹ تیار ہوسکنے کا امکان نہ تھا۔ بالآخر ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال اور سید راس مسعود کے پاسپورٹ تو مل گئے اور ان دونوں نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو لاہور سے پشاور روانگی کا پروگرام بنالیا۔ روانگی سے قبل ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال نے ایک اخباری بیان میں اپنے سفر افغانستان کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تعلیم یافتہ افغانستان ہندوستان کا بہترین دوست ہوسکتا ہے۔ کابل میں ایک نئی یونیورسٹی کا قیام اور ہندوستان کی مغربی سرحد پر اسلامیہ کالج پشاور کو ایک دوسری یونیورسٹی میں منتقل کرنے کی اسکیم، ہندوستان اور افغانستان کے درمیانی علاقہ میں آباد ہوشیار افغان قبائل کی فلاح و بہبود کے لئے بہت زیادہ ممد و ثابت ہوگی۔ شاہ افغانستان نے ہمیں اس لئے دعوت دی ہے کہ ہم وہاں وزیر تعلیم کو کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں مشورہ دیں۔ ہم نے اس دعوت کو قبول کرنا اپنا فرض سمجھا۔ کابل میں شائع ہونے والے مختلف رسالوں سے پتہ چلتا ہے کہ افغانوں کی نئی نسل نئے علوم کی تحصیل اور انہیں اپنے دین وتمدن کے سانچے میں ڈھالنے کی بے حد خواہشمند ہے۔ افغان فطرتاً بہت خلیق لوگ ہیں اور ہندوستانیوں کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی ترقی میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ افغانوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہندوستان کے اندر تعلیمی تجربہ کی روشنی میں ہم انہیں تعلیمی مسائل میں مفید مشورہ دے سکیں گے۔ میرے ذاتی خیال میں خالص سیکولر تعلیم سے خصوصاً مسلم ممالک میں اچھے نتائج درآمد نہیں ہوئے۔ بہر حال کسی نظام تعلیم کو قطعی نہیں کہا جاسکتا۔ ہر ملک کی اپنی ضروریات ہوتی ہیں اور ان ضروریات کی روشنی ہی میں اس کے نظام تعلیم کا تعین کیا جاسکتا ہے"

اقبال اور سید راس مسعود پشاور میں ٹھہرتے ہوئے ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو کابل پہنچے اور انہیں کابل کی نئی آبادی دارالامان کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ سید راس مسعود کے ہمراہ پروفیسر ہادی حسن بطور سیکرٹری آئے تھے اور اقبال کے ساتھ سیکرٹری کی حیثیت سے غلام رسول خان بیرسٹر آئے تھے۔ علی بخش بھی ان کی خدمت کے لئے ہمراہ تھا۔ دو تین روز میں تعلیمی معاملات کے متعلق مشورہ کے سلسلہ میں چند اجلاس ہوئے جن میں اقبال، سید راس مسعود اور حکومت افغانستان کے بعض سرکردہ نمائندوں نے شرکت کی اور سید راس مسعود نے تمام کاروائی کے نوٹس بھی لئے۔ لیکن بدقسمتی سے ان حضرات کی تجاویز کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ کابل میونسپلیٹی نے ان کے لئے ایک دعوت چائے کا اہتمام کیا۔ اقبال سرور خان گویا کی معیت میں بابر کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے بھی گئے۔ بابر کا مقبرہ کابل سے باہر ایک ویران سی پہاڑی کے دامن میں ہے چھوٹی سی عمارت ہے اور قبر پر ایک بے گنبد سقف سی کھڑی کی ہوئی ہے۔ بعد ازاں اقبال اور سید راس مسعود کی ایک ملاقات نادرشاہ سے قصر دلکشا میں ہوئی۔ اس ملاقات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اقبال نے نادرشاہ کو قرآن کریم کی ایک جلد تحفہ کے طور پر دی۔ اسی دوران عصر کی نماز کا وقت آ گیا اور نادرشاہ نے اقبال سے امامت کی درخواست کی۔ مگر بقول ظہیر الدین، اقبال نے کہا: "نادر! میں نے اپنی عمر کسی شاہ عادل کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی تمنا میں گزار دی ہے۔ آج جبکہ خدا نے فقیر کی اس مراد کے پورا کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں تو کیا تو مجھے اس نعمت سے محروم کرنا چاہتا ہے؟ آج میں تیری اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امامت تجھ کو کرنی ہوگی"۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی رات کو سید سلیمان ندوی ان سے آ ملے۔ اس شب سردار ہاشم خان صدر اعظم کے ہاں کھانا تھا۔ سید سلیمان ندوی تحریر کرتے ہیں کہ سردار ہاشم خان

ہندوستانی مہمانوں کوکھانے کے کمرے میں لے گئے۔کھانا میزوں پر لگا تھا اور ہر چیز یورپین طریقے سے آراستہ تھی۔میز پر مختلف قسم کی باتیں شروع ہوئیں۔سرور خان گویا نے سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا پوچھ رہے ہیں کہ افغانستان کے ارباب کمال کے حالات تو رسالہ کابل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔لیکن جس شخص نے سب سے پہلے اہل کابل کو اسلام کی دعوت دی، اس کا ذکر ابھی تک نہیں کیا گیا۔سب نے پوچھا کہ وہ کون بزرگ تھے؟ سید سلیمان ندوی نے بتایا: خراسان کے مقاتل بن حیان۔بعد ازاں سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ نے افغانستان کی تاریخ پر گفتگو شروع کی اور پنجاب کی قدیم سلطنتوں اور افغانستان کے تعلقات کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا۔سید راس مسعود نے اپنے جاپان کے سفروں کی روئیداد سنائی اور اقبال نے فلسفہ وسیاست کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی۔

کھانے سے فارغ ہو کر مہمان ملاقات کے پہلے کمرے میں اکٹھے ہوئے اور چائے، کافی، سگریٹ وغیرہ سے ان کی تواضع کی گئی۔سردار ہاشم خان نے دریافت کیا کہ گانا سننے میں کوئی حرج تو نہیں ہے، سید سلیمان ندوی نے فرمایا کہ بلا ساز کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن سردار ہاشم خان نے لفظ ساز کو سمجھتے ہوئے ارشاد کیا ہمارے یہاں رنڈی منڈی نہیں ہوتی، مرد گاتے ہیں۔اقبال نے ان کی تائید کی۔اسی اثنا میں گویوں کا ایک دستہ آداب بجا لا کر قالین پر بیٹھ گیا اور نغمہ طرازی شروع کی۔انہوں نے حافظؔ اور بیدلؔ کی غزلیں سنائیں۔رات کے گیارہ بجے تک محفل سماع گرم رہی۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء جمعہ کا دن تھا۔نادر شاہ بمطابق معمول مختلف مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جاتے تھے۔مگر اس روز شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد پل خشتی میں نماز پڑھنے آ رہے تھے۔اقبال اپنے رفقا سمیت اسی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گئے۔

نمازی مسجد کے صدر دروازے سے لے کر محراب تک بھرے ہوئے تھے اور غریب مسلمانوں کی کمی نہ تھی۔ منبر پر ایک مولوی فارسی میں وعظ فرما رہے تھے۔ مہمانوں کو مقصورہ یعنی مسجد کے اس حفاظتی حصہ میں لے جایا گیا جو بادشاہ کے نماز پڑھنے کے لئے مخصوص تھا۔ تھوڑی دیر بعد نادرشاہ نہایت سادگی کے ساتھ مقصورہ میں داخل ہوئے اور مہمانوں سے مصافحہ کیا۔ وعظ کے اختتام پر اذان کے بعد جب سب سنتیں پڑھنے کے لے کھڑے ہوئے تو خطیب نے عربی زبان میں خطبہ شروع کیا۔ آخر میں جب خطیب نے شاہ غازی مجاہد نادرشاہ کا نام لیا تو نادر شاہ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر تواضعاً اپنے سر کو جھکا دیا۔ خطبہ کے بعد دوگانہ جمعہ اور اس کے بعد حسب معمول سنتیں ادا ہوئیں۔ دعا کے بعد نادرشاہ نے مہمانوں سے کہا کہ میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہے اور اگر آپ لوگ پسند فرمائیں تو میرے ساتھ چل کر کھانا تناول کریں۔ مگر دیگر ضروری کاموں کے سبب سب نے معذرت چاہی اور اس کے بعد نادرشاہ ان سے مل کر رخصت ہوئے۔

واپسی پر اقبال اور سید سلیمان ندوی کے ساتھ کار میں ایک اور شخص بھی بیٹھ گئے جن سے چینی ترکستان کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ گفتگو کے دوران اقبال نے فرمایا:

''یورپ نے اپنی اس نئی ترقی میں اپنا سارا زور بحری طاقت پر صرف کیا اور ہر قسم کی تجارتی آمدورفت اور سیر و سیاحت کے راستے دریائی رکھے اور اپنے انہی جہازوں کے ذریعہ سے مشرق کو مغرب سے ملا دیا لیکن اب یہ نظر آ رہا ہے کہ ان بحری راستوں کی یہ حیثیت جلد فنا ہو جائے گی۔ اب آئندہ مشرق وسطیٰ (سنٹرل ایشیا) کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائے گا اور تری کے بجائے خشکی کا راستہ اہمیت حاصل کرے گا تجارتی قافلے اب موٹروں، لاریوں، ہوائی جہازوں اور ریلوں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں آئیں جائیں گے اور چونکہ

یہ پورا راستہ اسلامی ملکوں سے ہو کر گزرے گا۔اس لئے اس انقلاب سے ان اسلامی ملکوں میں عظیم الشان اقتصادی وسیاسی انقلاب رونما ہوگا اوراس وقت پہلے کی طرح پھر افغانستان کو دنیا کی شاہراہ بننے کا موقع ملے گا۔اس لئے ابھی سے اس کی تیاری کرنی چاہیے۔

کھانا سب نے دارالامان پہنچ کر سردار فیض محمد خان، اللہ نواز خان اور سرور خان گویا کے ساتھ کھایا۔چار بجے شام مجددی سلسلہ کے روحانی پیشوا ملا شور بازار نورالمشائخ سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ملا شور بازار کا اصلی نام فضل عمر تھا اور کابل شہر قبائل اور فوج میں بکثرت ان کے مرید تھے۔۱۹۱۸ء کی جنگ افغانستان میں وہ جرنیل محمد نادر خان کے ساتھ شریک جہاد رہ چکے تھے۔لیکن جب امان اللہ خان نے اصلاحات کے اجراء کے معاملے میں حد اعتدال سے تجاوز کیا،تو وہ افغانستان چھوڑ کر ہندوستان آ گئے۔محمد نادر خان کی کامیابی کے بعد وہ واپس افغانستان گئے اور انہیں وزیر عدالت مقرر کیا گیا۔انہوں نے کچھ عرصہ وزارت عدل کا کام انجام دیا لیکن پھر اسے اپنی درویشی یا صوفیانہ مسلک کے خلاف تصور کرتے ہوئے عملاً اس سے دست کش ہو گئے۔اقبال کے ساتھ سید سلیمان ندوی بھی انہیں ملنے کے لئے ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ملا شور بازار ایک بار اقبال سے لاہور میں مل چکے تھے۔ان کا مکان ایک تنگ گلی کے اندر تھا اور ہر قسم کے تزک و احتشام اور ظاہری آرائشگی سے خالی تھا۔باہر نشست گاہ بھی نہ تھی زنانہ مکان تھا جہاں پردہ کرا کر ان لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملی انہیں ایک لمبے کمرے میں لے جایا گیا،جس میں ایک طرف ایک پلنگ اور باقی زمین پر سادہ فرش بچھا تھا۔پلنگ پر ملا شور بازار تشریف رکھتے تھے۔اقبال اور سید سلیمان ندوی فرش پر جا کر بیٹھ گئے۔ملاّ شور بازار کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی جس کے سبب چلنے سے معذور تھے۔ہندوستان کے حالات اور افغانستان میں بچہ سقہ کے ہنگامہ کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔

چائے نوشی کے بعد انہوں نے اقبال کو خشک میوے (بادام اور انجیریں) تحفہ کے طور پر پیش کئے۔

ملاّ شور بازار کے قیام گاہ سے اقبال اور سید سلیمان ندوی اللہ نواز خان کے مکان پر گئے۔ جہاں افغانستان میں مقیم برصغیر کے تقریباً ڈیڑھ سو باشندوں نے ان کے اعزاز میں دعوت چائے کا انتظام کر رکھا تھا۔سید راس مسعود وہیں پہنچ گئے تھے۔یہ دعوت باغ میں دی گئی تھی۔کسی نے باغ کا فوارہ کھول دیا۔چونکہ خاصی سردی تھی اور سید راس مسعود کو زکام تھا۔اس لئے ان کے کہنے پر وہ بند کر دیا گیا۔اس موقع پر سردار فیض محمد خان نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

کوہر شہواری سازد نثار قدمت

ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دارد آب

پہلا مصرع کسی اور شاعر کا تھا لیکن دوسرا مصرع ان کا اپنا تھا۔اقبال نے احباب کے اصرار پر پہلے مصرع میں تبدیلی کر دی۔مگر سید سلیمان ندوی کو پورا مصرع یاد نہ رہ سکا۔ فرماتے ہیں کہ شاید یوں تھا۔

..... می شمارد قدر احسانِ شما

ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دارد آب

چائے سے فراغت کے بعد تصویریں اتاری گئیں اور تقریریں ہوئیں۔میزبانوں کی طرف سے مولانا محمد بشیر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں مدعو کرنے پر حکومت افغانستان کا شکریہ ادا کیا۔نیز ہندوستان کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ مصیبت کے بعد راحت آتی ہے۔مہمانوں کی طرف سے سید سلیمان ندوی نے تقریر کی اور کہا کہ تاریخ میں ہندوستان نے افغانستان کے معاملہ میں کئی دفعہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اب وقت ہے کہ ہمارے بھائی اپنے حسن خدمت سے ان گناہوں کا کفارہ

ادا کریں۔اس کے بعد اقبال نے ایک مختصر سی تقریر کی اور اسی پر جلسہ برخاست ہوا۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو سردار محمد ہاشم خان صدر اعظم مہمانوں کو ملنے کے لئے شاہی مہمان خانہ میں آئے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔سید راس مسعود نے معدنیات اور سڑکوں کی تعمیر کی اہمیت کا ذکر کیا۔اور اسی طرح اقبال نے بھی افغانستان میں سڑکوں کی تعمیر پر زور دیا اور فرمایا کہ آئندہ تجارتی آمدورفت کے سلسلہ میں وسطی ایشیا اور افغانستان کی مرکزیت یقینی ہے سردار محمد ہاشم خان نے کھانا ان کے ساتھ کھایا۔

سردار فیض محمد خان وزیر خارجہ اور اللہ نواز خان تقریباً روزانہیں ملنے کے لئے آتے تھے اور افغانستان کے انتظامی و تعلیمی امور پر گفتگو ہوتی تھی۔اقبال اور سید راس مسعود تو ایک مرتبہ اکٹھے نادر شاہ سے قصر دلکشا میں مل آئے تھے۔سید سلیمان ندوی بھی ان سے ملاقات کی خاطر قصر دلکشا گئے۔نادر شاہ نے زیادہ تو گفتگو اردو میں کی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ ''معارف'' کو ہمیشہ پڑھتے ہیں۔سید سلیمان ندوی نے مسئلہ تعلیم کے متعلق انہیں اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور نوجوان افغانوں میں مذہبی شیفتگی و پابندی کے فروغ کے سلسلہ میں کابل میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو جیسی درسگاہ کے قیام کا مشورہ دیا۔نادر شاہ نے آخر میں انہیں گزارش کی کہ وہ ہندوستان جا کر مسلمانوں کو یہ پیغام پہنچادیں کہ آج ہم کو اور ان کو اتفاق اور اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور ایک دوسرے پر نکتہ چینی کی بجائے ایک دوسرے کی حالت کو درست کرنے میں معاونت کی جائے تو بہتر ہے۔پھر فرمایا:

''میری کوشش ہے کہ افغانستان میں دین و دنیا کو جمع کردوں اور ایک ایسے اسلامی ملک کا نمونہ پیش کروں جس میں قدیم اسلام اور جدید تمدن کے محاسن یکجا ہوں۔۔۔۔میں دین و ملت کا خادم ہوں اور افغانستان کو صرف افغانوں کا ملک نہیں بلکہ مسلمانوں کا ملک سمجھتا

ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی اس کو اپنا ملک سمجھیں۔۔۔۔۔میرے بھائیوں کو کہہ دیجئے گا کہ دنیا میں ایک نئے انقلاب کا مواد تیار ہو رہا ہے۔ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی تعدادی،اقتصادی اور تعلیمی استعداد اس کے لئے پہلے سے تیار کرلیں۔"

سید سلیمان ندوی نادر شاہ کی شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ نہایت شیریں اخلاق،منکسر مزاج،پرمحبت اور رقیق القلب تھے اور ان کی آنکھیں مولانا محمد علی کی طرح اشکباری کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی تھیں۔اسی روز یعنی ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو چار بجے شام شاہ محمود خان وزیر جنگ کے ہاں چائے کی دعوت تھی جس میں چیدہ چیدہ حضرات بلائے گئے تھے۔چائے پر مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔سید سلیمان ندوی نے افغانستان میں مذہبی عربی تعلیم کے متعلق اپنی اسکیم کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا۔

ساڑھے سات بجے رات کابل کی انجمن ادبی یا یہاں کی رائل اکاڈیمی نے ان کے اعزاز میں کابل ہوٹل میں ڈنر کا انتظام کیا ہوا تھا۔سوسب کابل ہوٹل پہنچے۔ادبی انجمن سے منسلک کابل کے اہل علم،اصحاب قلم اور تعلیم یافتہ نوجوان یہاں موجود تھے۔انجمن کے سیکرٹری شہزادہ احمد علی خان درانی تھے جو اسلامیہ کالج لاہور کے تعلیم یافتہ تھے اور شاہی سیکریٹریٹ میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے۔یہ انجمن ہی ماہنامہ کابل،بقول سید سلیمان ندوی،بہت آب و تاب سے شائع کرتی تھی۔اور اقبال کے قیام کے دوران اس ماہنامہ میں ایک نظم بعنوان "پیام اقبال بملتِ کوہسار" بھی چھپی تھی۔

جب سارے مہمان تشریف لے آئے تو صدر انجمن نے فارسی میں خطبہ استقبالیہ پڑھا۔جس میں ہندوستان کے فضلاء اور سخنوراں کی تعریف و توصیف کے بعد اقبال کی علمی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا تھا۔

''ان کے قیمتی آثار و تالیفات جن میں سے ہر ایک نے اخلاق، سعی و عمل، اجتماع، جذبات شرق و دوستی اور احساسات اسلام پرستی کی اہل ایشیا کے جسموں میں روح پھونکی ہے۔''

خطبہ استقبالیہ کے بعد افغانستان کے معروف شاعر عبداللہ خان نے مہمانوں کے اعزاز میں ایک طویل نظم پڑھی جس میں بہت سے اشعار اقبال سے متعلق تھے۔ پھر مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن نے فارسی میں تقریر کی۔ بعد ازاں سید راس مسعود اٹھے اور اپنی برجستہ تقریر میں سید سلیمان ندوی کا بحیثیت عالم ذکر کرنے کے بعد اقبال کے متعلق فرمایا:

''میرے معزز دوست علامہ اقبال اس گروہ کے نمائندے ہیں جس نے قدیم وجدید عناصر کو ملا کر ان سے ایک روح پرور معجون تیار کیا ہے۔ میں نہ تو علماء کی جماعت سے ہوں اور نہ ہی شعرا کے فرقہ سے، بلکہ میں نے اپنی تعلیم کا دور زیادہ تر یورپ کے ممالک میں ختم کیا ہے۔ لیکن میرا دل ان دونوں گروہوں کی عظمت و احترام سے سرشار اور لبریز ہے۔۔۔ افغانستان کے نوجوانوں کو چاہیے کہ سفید بال والوں کی عزت و احترام کا ہر وقت خیال رکھیں۔۔ ایسا نہ ہو کہ اختلاف رائے سے ان کی قومی وحدت میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام نقصانات آپس میں نفاق اور تفرقہ کا نتیجہ رہے ہیں۔'' سید سلیمان ندوی نے اپنی جوابی تقریر میں ارشاد کیا۔

''سیاسی حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور سیاسی تعلقات ٹوٹتے اور جڑتے رہتے ہیں۔ لیکن علمی و ادبی تعلقات قائم اور برقرار رہتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کی تلوار عرصہ ہوا کہ ٹوٹ گئی اور اسکی فتوحات کے اوراق صدیاں ہوئیں بکھر گئے۔ لیکن حکیم سنائی غزنوی کا قلم اب تک باقی اور موجود ہے اور ان کی ادبی فتوحات کے اوراق کا شیرازہ اب تک منتشر نہیں ہوا ہے۔ اہل سیاست کو ان کی شعبدہ بازیوں میں مصروف رہنے دیجئے اور آیئے کہ ہم علم و فن کے

نام سے پیمانِ محبت و دوستی کو تازہ اور عہدِ رفاقت و آشنائی کو مستحکم کریں اور ہم دونوں اپنے اپنے وطن کے اندر رہ کر علم و ادب کے ایک جدید مشرق کی تعمیر میں دوش بدوش کام کریں۔"

سید سلیمان ندوی کے بعد اقبال نے تقریر کی جو بہت پُر اثر ثابت ہوئی۔ فرمایا (۴۷)

"میرا عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا شاعری یا مصوری یا موسیقی یا معماری، ان میں سے ہر ایک زندگی کا معاون اور خدمت گار ہے۔ اسی بنا پر میں آرٹ کو ایجاد و اختراع سمجھتا ہوں نہ کہ محض آلہ تفریح۔ شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی۔ اس وقت جبکہ حکومت یہ کوشش کر رہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افغانستان کی تاریخ ایک نئی زندگی کے میدان میں داخل ہو تو اس ملک کے شعرا پر لازم ہے کہ وہ نوجوان قوم کے سچے رہنما بنیں۔ زندگی کی عظمت اور بزرگی کی بجائے موت کو زیادہ بڑھا کر نہ دکھائیں۔ کیونکہ جب آرٹ موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے، اس وقت وہ سخت خوفناک اور برباد کن ہو جاتا ہے۔ اور جو حسن قوت سے خالی ہو وہ محض پیامِ موت ہے۔

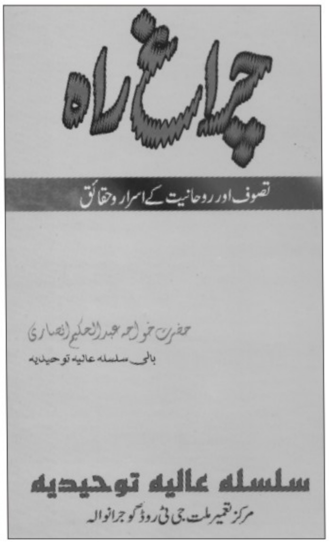
دعائے مغفرت

گوجرانوالا کے بھائی محمد انور مغل (ایم اے موٹرز والے)

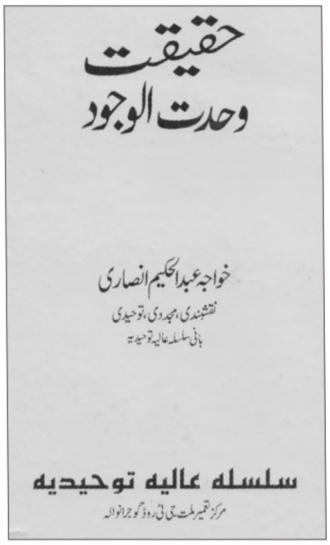
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَیْهِ رَاجِعونَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

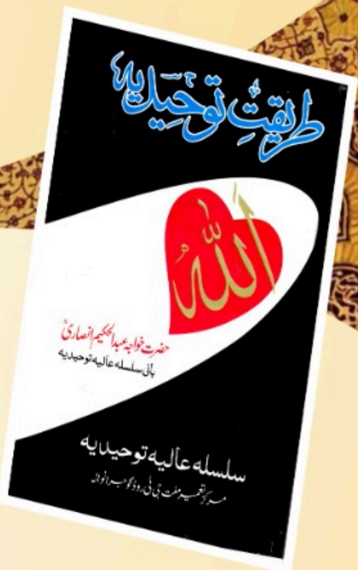


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصرسی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورناگزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com